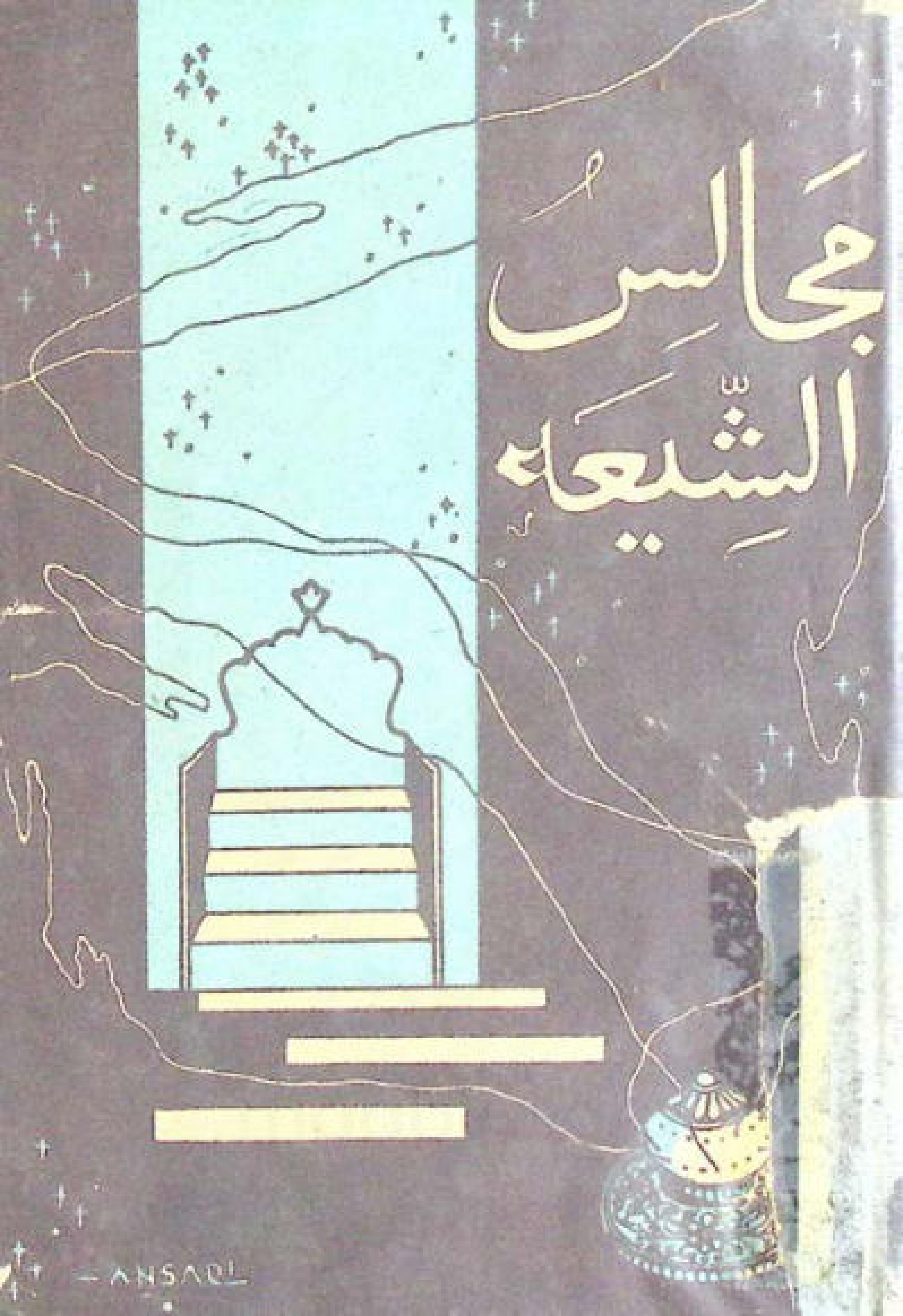

مجالس
الشيعة
ANSARI

مجالس الشیعہ

دوسرا ایڈیشن

مجالس الشیعہ

دوسرا ایڈیشن

سرکار عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ مجتہد اعلی اللہ مقامہ

ناشر:

مکتبہ امامیہ

اردو بازار لاہور۔ ۲

اشاعت اوّل جون ۱۹۶۲ء
اشاعت دوم دسمبر ۱۹۶۳ء
تعداد اشاعت ایک ہزار
مطبع نامی پریس لاہور
قیمت دو روپے
ناشر مکتبہ امامیہ
لاہور ۔ ۲

ترتیب

عرضِ ناشر

ہماری پندرہویں پیش کش کا دوسرا ایڈیشن آپ کے زیرِ نظر ہے پہلا ایڈیشن جون ۱۹۶۲ء میں شائع کیا گیا تھا جسے قبولِ عام کی سند حاصل ہوئی اور وہ ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔

فاضل مصنف سرکار عمدۃ العلماء اعلی اللہ مقامہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو رحلت فرما گئے (اناللہ وانا الیہ راجعون) مرحوم کی ذات والا صفات علمی دنیا میں ممتاز حیثیت کی حامل تھی۔ برصغیر ہندو پاکستان کا بچہ بچہ ان کے تبحرِ علمی اور سحرِ بیانی کا معترف ہے سرکار ممدوح خاندانِ اجتہاد کی ایک مایہ ناز فرد تھے، آپ کی تمام عمر مشاغلِ علمیہ میں بسر ہوئی آپ کے مواعظِ حسنہ کو اربابِ ایمان و ایقان برسوں یاد رکھیں گے برسرِ منبر آپ کے ایمان افروز بیانات سے قلوبِ مومنین منور ہو جاتے تھے اور روحِ عرفان وجد کرتی تھی۔ سرکار مرحوم ایک ایسی ہر دلعزیز ہستی تھے کہ ان کی وفات حسرت آیات نے ہر مومن کے دل کو محزون کر دیا ہے۔ قارئین کرام ایصالِ ثواب کے لئے سورہ فاتحہ تلاوت فرمائیں

اب کی بار بھی ہم جناب مولانا سید کلب صادق صاحب قبلہ مدظلہ (فرزند ارجمند سرکار عمدۃ العلماء) کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں جنہوں نے ہمیں اس عدیم النظیر کتاب کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی تھی اس بے لوث عنایت بے پایاں کا اجر تو انہیں سرکار احدیت سے عطا ہوگا۔ ہم بہر حال ممنون ہیں۔ جناب مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل لاہور بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے سرکار عمدۃ العلماء طاب ثراہ کے بارے میں تعارف تحریر فرمایا ہے

(ناشر)

حضرت عمدۃ العلماء طاب ثراہ

شیعہ علماء کی تاریخ میں یہ بات ناقابل فراموش ہے کہ پاک و ہند میں خاندان اجتہاد تقریباً دو صدی سے علوم دین میں اس شہرت کا مالک ہے جس کی مثال ایران و عراق میں بھی کم نظر آئے گی۔ جناب غفران مآب، الحجۃ الاسلام سید دلدار علی مولود سنہ ۱۱۶۶ھ متوفی سنہ ۱۲۳۵ھ سے اب تک ان کی اولاد فقہ و کلام و خطابت میں برصغیر کا سرمایہ ناز ہے۔

نصیر آباد ضلع رائے بریلی ایک چھوٹا سا قصبہ اب تک آباد ہے حضرت غفران مآب اسی قصبہ کے رہنے والے تھے یہیں پرورش پائی۔

مختلف شہروں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد نجف و مشہد کے استادوں سے کسب فیض فرما کر سنہ ۱۱۹۳ھ ہندوستان کے قم دارالمومنین لکھنؤ تشریف لائے حکومت اودھ میں وہ اعزاز پایا جو دکن میں حضرت میر محمد مومن رحمۃ اللہ کو حاصل ہوا تھا ان کے بعد ان کے اخلاف اسی شان سے دینی فرائض انجام دیتے رہے ان حضرات نے شیعوں کے علمی مراکز کی تاسیس کی علماء پیدا ہوئے مدارس قائم کئے۔ دور دراز کے علماء کو سمیٹا اور لکھنؤ کو مرکز علوم آل محمد بنا دیا۔

اسی نصیر آباد سے اور اسی خاندان کے متعلقین میں ایک بزرگ جناب مولانا سید محمد یوسف دہلی پہنچے اور وہاں بہادر شاہ ظفر کی استادی کے رتبے پر فائز ہوئے مولانا محمد یوسف کی اولاد میں۔ مولانا کلب حسین صاحب اور ان کے صاحبزادے مولانا سید کلب عابد صاحب کے چشم و چراغ حجۃ الاسلام

قدوۃ العلماء الحاج مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ ہوئے جو اپنے علم و عمل میں شہرۂ آفاق اور روشن دماغی قومی فلاح و بہبود سے دلچسپی رکھنے والے علماء میں یگانہ تھے۔ مدارس کا قیام شیعہ کانفرنس کی تاسیس، شیعہ بیت المال کا قیام اور شیعہ کالج کی تحریک میں آپ کے مساعی ناقابل فراموش ہیں۔

جناب عمدۃ العلماء اسی فرزند اسلام البطل علم شخصیت عظیم کے نور نظر اور فرزند گرامی قدر ہیں آپ کی ولادت ۲۰ رشعبان ۱۳۲۳ھ کو لکھنؤ میں ہوئی بزرگوں نے تاریخی نام "علی اختر" تجویز کیا۔ خاندان کے نام پر "کلب حسین" مگر گھر والے پیار سے "کبن صاحب" کہنے لگے اور اب بھی لوگ محبت و احترام کیسا تھ اسی عرفیت سے یاد کرتے ہیں۔

جناب سید محمد مصطفےٰ عرف میر آغا صاحب اعلی اللہ مقامہ۔ متوفی ۱۳۲۳ھ کے والد محمد ہادی صاحب قبلہ عمدۃ العلماء کہلائے جاتے تھے۔ مولانا کلب حسین صاحب قبلہ نے اپنے پرنانا کا لقب حاصل کیا۔ یوں آپ اسماء و القاب ننھیال اور ددھیال کی خصوصیات کے حامل ہوگئے

اس وقت کا لکھنؤ بلا مبالغہ نجف و مشہد کے بعد شیعوں کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا۔ مولانا آقا حسن صاحب قبلہ اور جناب سید آغا صاحب قبلہ اپنے زمانے کے فاضل ترین فقیہ مانے جاتے تھے مولانا نے پہلے اپنے گھر میں اور پھر شیعوں کے محبوب مدرسے "سلطان المدارس" میں تکمیل درس کے بعد حضرت آیۃ اللہ باقر العلوم سید محمد باقر صاحب قبلہ مرحوم اعلی اللہ مقامہ (المتوفی ۱۶ رشعبان ۱۳۴۶ھ

سے کافی رسائل، مکاسب، شرح کبیر وغیرہ کی انتہائی تعلیم اور صدرالافاضل کی سند لے کر آستانۂ علویہ کا رخ کیا اور وہاں سے درس خارج کا اجازہ لے کر لکھنؤ واپس تشریف لائے۔

گھر کا ماحول، قوم کا درد، اسلام کی تبلیغ کا شوق، محرک ہوا۔ اور مولانا نے بیک وقت دونوں کام سنبھال لئے والد بزرگوار کے ساتھ قومی معاملات میں دلچسپی لیتے رہے اور اپنے طور پر خطابت کو اپنایا اور دونوں باتوں میں بزرگان دین اور راہنمایان ملت کی نظر میں وہ وقار پایا جو آپ اپنی مثال ہے۔

سرکار قدوۃ العلماء، سرکار نجم الملۃ، سرکار ناصر الملۃ رحمہم اللہ نے ہمیشہ اپنا دست راست سمجھا قوم نے ہمیشہ اپنا سرپرست مانا اور بلا اختلاف آج بھی ہر شخص احترام کی نظر سے دیکھتا ہے۔

ان کے اخلاق، غرباء سے ہمدردی، اصلاح معاشرہ اقتصادی خوشحالی آپ کی عملی زندگی کے نمایاں پہلو ہیں۔

چھوٹے بڑے رسائل مختصر اور طویل، مذہبی اور اصلاحی مضامین۔ "الطوع" اور "سحاب" جیسے رسائل واخبارات عماد الاسلام تالیف غفرآنمآب جیسی علمی کتابوں کی اشاعت آپ کے ذوق تحریر ونشر علوم پر دلیل ہیں۔

خطیب اعظم، شمس العلماء جناب مولانا سبط حسن صاحب قبلہ کے عہد روشن وتابناک میں، جب شیعہ خطابت کے

آسمان پر جناب مولانا محمد رضا صاحب۔ جناب مولانا مقبول احمد صاحب۔ جناب مولانا محمد حسین صاحب رحمہم اللہ جیسے آفتاب و ماہتاب بارشِ انوار فرما رہے تھے۔ مولانا کلب حسین صاحب قبلہ اپنی انفرادی خصوصیات خطابت کے ساتھ مقبول خاص و عام ہو چکے تھے۔

متحدہ ہند میں شاید ہی کوئی شہر ایسا ہو۔ جہاں ہر مذہب و ملت کے افراد نے آپ سے فیض نہ پایا ہو ساٹھ سال سے تبلیغ اسلام اور خطابت کی خدمت اس انداز سے ادا فرما رہے ہیں کہ فنِ خطابت کی تاریخ میں ان کا درجہ بہت زیادہ بلند و ممتاز ہے۔

سادہ مزاج، سادہ وضع، سادہ لہجہ، صاف و رواں تقریر۔ سلجھے ہوئے مطالب، نہ جوش میں بے قابو۔ نہ عام حالت میں غیر معتدل، عالمانہ انداز، ادیبانہ تقریر، لکھنؤ کی شستہ زبان، اور عالمانہ وقار سے خطاب نہ جسم کو حرکت ہوتی ہے نہ مجمع کو مرعوب و متاثر کرنے کی کوشش معلوم ہوتا ہے جیسے قدرت بیان پر اتنا بھروسہ ہے کہ جب چاہیں گے رلا دیں گے۔ جب چاہیں گے مجمع خوش ہو جائے گا۔ اور نصف صدی سے لوگ دیکھ رہے ہیں کہ جناب عمدۃ العلماء کے اس انداز میں سرِ مو فرق نہیں۔

شیریں بیانی کے ساتھ آواز بھی اتنی موثر تھی کہ دل کھینچتا ہے نہ کبھی نقلیں بنا کر جملے خوبصورت تراشے نہ آواز بنا کر لوگوں کو متوجہ کیا، حقیقت میں ہمارے منبر کا یہ امتیاز اس قدر جاذب نظر ہے کہ برصغیر میں کسی اسٹیج کو یہ شرف نصیب نہیں ہمارے خطیب احترام منبر اور شانِ علم، عظمت، مجلس اور اعزاز مجلس میں عجیب بصیرت رکھتے ہیں۔ میرے خیال میں اس انداز خطابت کا مکمل نمونہ، اور قابل تقلید طریقہ جناب عمدۃ العلماء کی مجلس خوانی ہے۔

جناب عمدۃ العلماء کا عہد حضرت شمس العلماء خطیب اعظم و ذاکر مطلق، مولانا سبط حسن صاحب قبلہ ہیں۔ مقبول عام ہونا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ مولانا سبط حسن صاحب قبلہ درحقیقت منبر کے لئے پیدا ہوئے تھے اور ہماری تاریخ میں جو شرف انہیں ملا کسی ایک کو بھی نہ مل سکا۔ انگریز۔ ہندو یا پارسی سنی۔ غرض ہر فرقے کے بڑے سے بڑے نقاد اور بڑے سے بڑے مقرر و صاحب علم کا خیال تھا کہ سرکار مرحوم کو تاثیر خصوصی حاصل ہے۔ جناب مرحوم کے بعد یوں تو الحمد اللہ ہمارے اکابر میں اب بھی ہر بزرگ کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ جب بھی کسی بین الاقوامی اجتماع میں تشریف لے جاتے ہیں لوگ علم و فن دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ میں نے ان بزرگوں

میں چند اساتذہ اور ان کے اندازِ بیان کا ذکر اپنے مضمون "مجلس" میں کیا ہے (دیکھئے رضاکار، محرم نمبر ۱۳۸۲ھ) یہاں چوں کہ صرف جناب کی چند مجلسوں پر پیش لفظ لکھنے بیٹھا ہوں اس لیئے دوسرے بزرگوں کے نام لے کر تقابل کی بے ادبی سے بچنا چاہتا ہوں اور طولِ بیان کے خوف سے مفصل گفتگو کی ہمت نہیں کرتا اور یہ کہہ کر مضمون ختم کرتا ہوں کہ۔

"انّ من البیان لسحرا" کے مطابق "خطابت" اور اقسامِ خطابت میں مجلس پڑھنے کا فن، بے حد نازک اور اہتمام طلب چیز ہے اس میں ضرورت ہوتی ہے کہ منبر نشین اپنی شخصیت و علم کے ساتھ ساتھ۔ عنوانِ ذکر، موضوعِ بیان مقصدِ مجلس۔ نسبتِ اسلام و آئمہ اسلام کا لحاظ کیا جائے۔ سیاسی اسٹیج کا مقرر، مجمع کو جوش دلاتا ہے منبر کا خطیب انتہائی سنجیدہ طریقے سے چند حقائق بیان کرتا ہے۔ دونوں کے کام کا نتیجہ سامعین کو لطف اندوز، اپنی طرف متوجہ کرنا ہے۔ اگر اس مقصد کے لیئے ہاتھ۔ سر۔ چہرے کی حالت میں غیر متوازی صورت اختیار کرلی تو یہ خطابت مجلس نہیں اسٹیج پر جچتی ہے۔

مولانا کلب حسین صاحب قبلہ اس امتیاز میں ہمارے نوجوان خطیبوں کے شمعِ راہ ہیں۔

آخر میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ جناب ایک مدت سے اس

کے پابند ہیں کہ مجلس لکھ کر پڑھتے ہیں غفراں مآب کے امام باڑے کا عشرہ۔ راقی صاحب کا عشرہ ہم بچپنے سے دیکھ رہے ہیں۔

پہلی محرم سے نویں محرم تک جناب کے ہاتھ میں کاپی دیکھی ظاہر ہے کہ دیکھ کر پڑھنے کا سوال ہی نہیں۔ مگر یہ طریقہ اس قدر مفید ہے کہ آج ہم "جناب" کے افادات سے مستفید ہو رہے ہیں

مولانا کلب صادق صاحب قبلہ ہمارے بہترین شکریوں کے مستحق ہیں کہ انہوں نے یہ وقیع ذخیرہ مومنین تک پہنچا کر دینی خدمت انجام دی ہے۔

(مولانا) سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل لاہور

(یکم جون ۱۹۶۲ء)

معذرت

جب سے میں نے خدمت عزاشروع کی ہے اسی وقت سے محض حافظہ پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اپنے معلومات کاغذ کی امانت میں دیتا رہا صرف اس خیال سے کہ زندگی کا ذخیرہ بعد موت یادگار قائم رہ سکے۔ مگر یہ ضرور ہوا کہ اکثر دلچسپ مصائب جزو مسودات نہ قرار دیئے اور بعض اوقات تعجیل وجہ سے محض اشاروں پر اکتفا کی اسی وجہ سے جب بھی کسی شخص نے مجھ سے میرے مسودات بہر طباعت طلب کئے تو میں نے انکار کر دیا ہمیشہ مشاغل کی کثرت تکمیل سے مانع تھی۔

چند دن ہوئے کہ نورچشم کلب صادق سلمہٗ کو میرے مسودات شائع کرانے کا شوق ہوا۔ مگر اب وہ عالم ہے کہ جب حافظہ ساتھ چھوڑ چکا بصارت بھی مدد سے دست کش ہے اور کثرت مشاغل وافکار و آلام بھی مانع ہیں اس وجہ سے مسودات نورچشم مذکور طبع کرا رہے ہیں ان میں نہ میں نظر ثانی ہی کر سکا نہ اشارات کی تکمیل کر سکا۔ یہ سب فریضے نورچشم مذکور نے ادا کئے خدا کرے کوئی بات ان مسودات میں ایسی نہ پیدا ہوتی ہو جو سب کو شک وشبہ اور شکوہ شکایات کا موقع دے۔

السید کلب حسین نقوی۔

مجلس اوّل

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین
سیدنا ونبینا وشفیعنا ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الطاھرین
اما بعد فقد قال اللہ تعالیٰ وتبارک فی کتابہ المبین وھو اصدق
الصادقین کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و
تنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ ولو امن اھل الکتاب لکان خیرا
لھم منھم المؤمنون واکثرھم الفاسقون (رکوع آیت ۱۰۹)

تم کیا اچھی امت اور کیا بہترین لوگ ہو جو انسانوں کی ہدایت
کیواسطے پیدا کئے گئے اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو بری باتوں سے
روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو اور اگر صاحبان کتاب بھی ایمان
لے آتے تو ان کے واسطے بہت اچھا تھا مگر ان میں کچھ تو ایماندار
ہیں اور بہت زائد فاسق و بدکار ہیں۔

آن کی آیتیں تھیں اور ان کا ظاہری ترجمہ تھا جو میں نے آپ کے سامنے
پیش کر دیا تفسیر حقیقی ابھی ذرا دور ہے جب تک مقدمات کی تفصیل نہ ہو

قدرا مقدمہ ناقص ہے جب تک متکلم کی جلالت کلام کی حقیقت اور مطالب کی عظمت ظاہر نہ کردی جائے تاثیر بیان ظاہری عقل والوں کے فہم سے بلند ہی رہے گی جو نہیں جانتے کہ آیات کیا ہیں۔ قرآن کس کا کلام ہے سورتوں کے پردے میں بولنے والا کون ہے کلام کی صداقت قابل تسلیم ہے یا نہیں وہ کیونکر مانیں کہ جو بیان کیا جارہا ہے وہ حق ہے عین صدق ہے ایمان لانے کے قابل ہے؟

جب سے آیات الٰہی رحمت خالق کی طرح رحمت اللعالمین پر نازل ہونے لگیں اور لسان محمدی نے کلام سے ممتاز کرکے خالق کے کلام کو دنیا کے سامنے پیش کرنا شروع کیا اسی وقت سے حق شناس سجدوں میں جھکے اسلام قبول کیا ایمان لائے مگر باطل کے پیرو ضدی مزاج پرانوں کی کہانیاں سابقین کا سرمایہ لوگوں سے سیکھا پڑھا ہوا کہہ کر دنیا کو بہکانے لگے مگر کچھ ایسے بھی تھے جو کلام کی تاثیر اس کی قوت اعجاز۔ بلندی مطالب۔ دلکش بندشوں سے انکار نہ کرسکے تو سحر اور جادو کہہ کر ٹال گئے وہ پہلے بھی کچھ ایسے نکلے جو جواب کی زبردست کوششوں میں ناکامی کا منہ دیکھنے کے بعد بھی کلام خدا ہونے پر ایمان نہ لائے اور اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔ کافر مشرک تو ابتدا ہی سے ایمان نہیں لاتے تھے مگر وہ ملحد اور بے دین جو بظاہر کلمہ گو بنتے ہیں۔ ایماندار بنتے ہیں کبھی نزول احکام و ہدایات قرآن پر عمل نہ کرکے اپنے ایمان کی کمزوری کا اظہار کرتے ہیں اور کبھی جب ہمت و جرأت بڑھ گئی تو کلام الٰہی کو کلام رسول کہہ کر اپنے کفر و الحاد کا اعلان کرتے رہے اور پھر بھی مسلمان ہونے کے مدعی ہیں۔

کہہ دے کوئی کہ قرآن رسول کا کلام ہے خدا کا نہیں مگر یہ یاد رہے کہ معاذاللہ جب تک وہ رسول کے کاذب۔ خائن۔ نفس پرست اور دنیا طلب ہونے کا قائل نہ ہو اس وقت تک کلام مجید کو کلام رسول ہرگز نہیں کہہ سکتا۔

یہ کہہ دینا تو بہت آسان ہے کہ قرآن کلام خدا نہیں۔ کلام رسول ہے مگر سب سے پہلے قرآن کے کلام خدا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ رسول نے کہا اور خود قرآن میں وہ آثار و علامات موجود ہیں جو اس کے کلام خدا ہونے کی دلیل ہیں۔

آپ ملاحظہ فرمائیں میں آپ کے سامنے ایک رباعی پیش کرتا ہوں یہ کہکر کہ یہ میر انیس کا کلام ہے تو آپ کا فرض ہے کہ جب تک آپ یقین نہ کر لیں کہ یہ میر انیس کا کلام نہیں ہے اس وقت تک آپ کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ تم جھوٹے ہو لہٰذا مہربانی کر کے وہ دلیل پیش فرمائیے جس دلیل سے آپکو یقین ہو کہ یہ کلام خدا نہیں ہے اور اگر ایسی کوئی دلیل نہیں تو کلام الٰہی کا منکر خود کاذب ہے۔

میں نے جو کلام کسی شاعر کی طرف منسوب کر کے پیش کیا اور آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اس میں شک ہے تو فوراً سوال پیدا ہوگا کیوں آپکو کیوں شک ہے؟ جس کے معنی یہ ہوئے کہ شک کے واسطے کسی وجہ کی ضرورت ہے اور وہ وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے کہ آپکو میرے سچے ہونے میں شک ہے اور یا یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ کلام میں کچھ ایسی چیزیں موجود ہیں جو اعلان کر رہی ہیں کہ میں اس شاعر کا کلام نہیں۔ مثلاً انیس کی خصوصیات یعنی زبان کی سادگی محاورہ کا استعمال سیدھی اور صاف لفظیں عربی اور فارسی الفاظ سے احتراز اور میں نے آپ کے سامنے ایسا کلام پیش کر دیا جو محاورہ سے الگ عروض و زبان سے باہر عیوب سے لبریز تو آپ ضرور فرما

دیں گے کہ یہ انیس کا کلام ہرگز نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جب قرآن کو رسول نے خدا کو کلام کہہ کر پیش کیا تو کیا وجہ ہے کہ آپ کلام خدا نہیں مانتے یا تو فرمائیے کہ معاذ اللہ۔ رسول جھوٹے ہیں کہ تھا تو اپنا کلام اور نسبت دیدی خدا کیطرف تو رسول کا جھوٹا ہونا ثابت فرمائیے کس دن رسول جھوٹ بولے اور کن کن سے جھوٹی باتیں کہیں بلاشبہ تبلیغ ایمان شروع کرنیکے بعد تو مشرکین نے اسیطرح رسول کو معاذ اللہ کاذب اور ساحر سب کچھ کہا جس طرح آج یہ بیدین در پردہ کاذب کہہ رہے ہیں لیکن قبل بعثت بتائیے کہ کس نے ان کو جھوٹا کہا اور کب کہا شاید یہی مصلحت تھی کہ باوجود نبی ہونے کے چالیس برس رسول کو خاموش رکھا کہ اگر ابتدا ہی سے تبلیغ رسالت شروع ہوگی تو وجہ عداوت اسی وقت سے پیدا ہو جائیگی اور یہ لوگ کاذب و ساحر کہنے لگیں گے لہٰذا خاموش رہ کر چالیس برس تمام کفار سے امانتداری، ایمان داری، سچائی، بے نفسی زہد و اتقا کا کلمہ پڑھوا لیا اس کے بعد بعثت کا دعویٰ کیا تاکہ سوال کرنے کا محل ہو کہ جو بچپنے میں جھوٹا ساحر نفس پرست اور دنیا طلب نہ تھا جوانی میں نہ تھا بھرپور شباب میں نہ تھا وہ اب چالیس برس بعد یکبارگی جھوٹا ساحر دنیا طلب اور نفس پرست کیسے ہو گیا؟

اس سوال کا جواب نہ اسوقت والے دے سکے اور نہ آج والے دے سکتے ہیں اور جب رسول کی صداقت کا اقرار اور جھوٹا ہونے پر کوئی ثبوت نہیں اور ایسا سچا کہہ رہا ہے کہ یہ میرا کلام نہیں خدا کا کلام ہے تو نہ ماننے والا خود جھوٹا اور کاذب ہے بالکل ماننے کی بات ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی بات کو اپنی بات کہہ دے تو شاید کوئی وجہ بھی ہے مگر وہ کون ہوگا جو اپنے کلام کو دوسرے

کا کہنا ہے یعنی وہ بے نظیر کلام جس کی فصاحت و بلاغت کا مثل نہیں جس کی شان اعجاز کا جواب نہیں کلام خدا ہونے کے باوجود محل تو یہ تھا کہ رسول معاذ اللہ اپنا کہہ کر پیش کرتے کہ میں ایسا فصیح و بلیغ ہوں کہ میں نے ایسا قرآن بنا دیا مگر یہاں بقول مخالف الٹا حساب کہ بنایا ہے بے مثل خود اور نسبت دیدی اللہ کی طرف اللہ کا سا رحیم و کریم و جواد تو یہ کرتا نہیں کہ اپنے کسی بنائے ہوئے کو دوسرے کی طرف منسوب کر دے کہ جی نہیں میں نے نہیں بنایا فلاں نے بنایا ہے تو بھلا رسول یہ کیا کرتے کہ بنائیں بے مثل خود اور نسبت دیدیں کسی اور کی طرف سنئے اور غور سے سنئے کہ رسول اگر قرآن کو یہ کہہ کر پیش کرتے کہ میں خدا کا رسول اور یہ میری رسالت کا ثبوت ہے کہ میں نے ایسا قرآن بنایا کہ جس کا کوئی مثل و نظیر نہیں اگر تم کو میری رسالت میں شک ہے تو لاؤ اس کا جواب تو کیا رسول کی رسالت ثابت نہ تھی وہی قاعدہ جو خدا کی طرف نسبت دیدینے سے تھا وہی بعینہٖ اپنی طرف منسوب کر لینے سے ہوتا تو پھر معاذ اللہ بیوقوفی ہی تو تھی کہ جو کلام وہ سچ بول کر بنا سکتے تھے وہی جھوٹ بول کر بنائیں اور جھوٹ بھی وہ جس کے ثابت کرنے میں ہزاروں دقتیں پیش آئیں۔

میں اس وقت جو کچھ عرض کر رہا ہوں اس کو اپنا کہدوں تو آپ با آسانی مان لیں گے اور اگر یہ کہدوں کہ خدا کی طرف سے مجھ پر وحی ہو رہی ہے تو ثبوت دینا مشکل ہوگا تو رسول نے آسان راستہ چھوڑ کر دشوار راستہ کیوں اختیار کیا ہاں ایسا حکیم ایسا عاقل جس کے علم و حکمت میں کوئی جاہل بھی شک نہیں کر سکتا اس سے نا ممکن تھا کہ سچ میں بھی وہی فائدہ ہو جو جھوٹ میں ہے اور سچ کا ثابت کر لینا بھی

آسان ہو مگر وہ جھوٹ بول کر اپنے کو مصائب میں پھنسانے نا ممکن تھا اور بالکل نا ممکن۔ لہذا اپنی طرف نسبت نہ دینا ہی رسول کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت ہے جس کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں اور پھر جناب ایک رسول کی صداقت ہی پر قرآن کی حقیقت تھوڑی ہی موقوف ہے ابھی تیرہ معصوم اور ہیں جو عمر بھر یہی کہتے رہے کہ یہ خدا کا کلام ہے اور یہ تیرہ کے تیرہ یعنی علیؑ و فاطمہؑ اور انکی اولاد معصومین سب کے سب ایسے تھے کہ ان میں کے کسی ایک کی نسبت بھی مسلمان تو مسلمان کسی کافر نے بھی نہیں کہا کہ وہ جھوٹے نفس پرست دنیا طلب یا جاہل تھے بلکہ ہر شخص ان کی سچائی انکی بے نفسی انکے علم ان کے زہد و تقویٰ کا معترف ہے۔

یہ زمانہ اوّلہ۔ روشن دماغی کا ہے لہذا کہا جا سکتا ہے کہ یہ دلیل تو آپ پرانے زمانہ کے بیوقوفوں کے سامنے پیش کیجئے کہ جو ائمہ معصومینؑ نے فرما دیا وہ بالکل صحیح ہم تو ہر چیز کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں لیکن میں عرض کرونگا کہ صرف اسلام اور ہر مذہب کے بارے میں تو عالم جاہل، نا فہم، با فہم مرد عورت بچہ بوڑھا ہر شخص اس کا مدعی ہے کہ ہم اپنی عقل سے سمجھیں گے مگر مذہب سے الگ ہو کر جناب عالی عقل اڑائی کیوں نہیں فرماتے آپ ایک وکیل صاحب کے سامنے مقدمہ پیش کرتے ہیں فلاں نواب صاحب نے قرض لیا تھا وہ نہیں دیتے وکیل نے کاغذ دیکھا۔ اجی اب اتنی مدت کے بعد خبر لی میعاد سماعت ختم ہو گئی آپ کیوں نہیں فرماتے کہ یہ میعاد سماعت کیسی؟ اجی جناب ہمارا قرضہ ہے تو ہم کو سو برس بعد بھی ملنا چاہیے یہاں عقل آرائی نہیں ہوتی منہ لٹکایا اور چلے آئے

ایک سائنس دان نے کہا کہ زمین سے چاند کا فاصلہ اکیس لاکھ میل ہے صبح کی روشنی زمین تک تقریباً آٹھ منٹ میں پہنچتی ہے روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل فی سیکنڈ ہے آپ کو خبر نہیں کہ چاند کا فاصلہ کتنا ہے آپ کو پتہ نہیں کہ سورج سے روشنی کتنی دیر میں پہنچتی ہے آپ کو کچھ نہیں معلوم کہ روشنی کی رفتار کیا ہے۔ لیکن آپ ہر بات پر آمنّا و صدقنا کہے چلے جاتے ہیں! اجی جناب فلاں پروفیسر نے کہا فلاں سائنسدان نے کہا اب عقل آگے چلتی ہے نہ چلائی جاتی ہے یہ سب کیوں صرف اس لئے کہ جب آدمی کسی کی عقل و فہم علم پر اعتبار کر لیتا ہے تو اسکی ہر بات مان لینے پر تیار ہو جاتا ہے یہی رسول نے کیا چالیس برس ایمانداری عقل اور صداقت کا سکہ جمایا کہ جب تم مجھ پر اعتبار کر چکے تو اب جو کہوں اس کی تصدیق کرو اسی لئے جب پہلے پہل کوہ ابو قبیس پر چڑھ کر آپ نے مکہ والوں کو آواز دی اور ایک ہی آواز پر تمام مکہ امنڈ آیا۔ اور لوگوں نے گھبرا گھبرا کر سوال کرنا شروع کیا کہ محمد خیر تو ہے۔ یہ تم نے ہم سب کو کیوں پکارا تو آپ نے فرمایا کہ میری قوم والو! اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کیا چاہتا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے اور تمام حاضرین نے اقرار کیا کہ بیشک تصدیق کریں گے اس وقت آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خدا کے عذاب کی خبر دیتا ہوں اگر تم نے اللہ کو نہ مانا تو دردناک عذاب میں گرفتار ہو گے یہی مقام تھا جب ابو لہب نے جھلا کر کہا تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں مجھ کو سویرے سویرے اسی لئے بلایا تھا اور قرآن کا سورہ جواب میں اترا "تبت یدا ابی لھب" ابو لہب ہی کے دونوں ہاتھ بےکار ہو جائیں بہر حال یہ تمام باتیں ثابت کر دیتی ہیں کہ قرآن کلام

خدا ہے کلام رسول نہیں لیکن ان تمام باتوں کے بعد میں تو یہ کہتا ہوں کہ قرآن کو رسول کا کلام کہنے والے گمراہ اگر کچھ نہ دیکھیں تو صرف اتنا ہی دیکھ لیں کہ جو کلام زبان رسول سے نکلا وہ الفاظ قرآن ہی میں منحصر نہیں ہے اگر یہی ہوتا کہ زبان رسولؐ سے نکلا ہوا حرف قرآن مجید ہی ہمارے ہاتھ میں اور کوئی حدیث رسول ہمارے سامنے نہ ہوتی تو کلام رسولؐ اور کلام خدا میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا لیکن جب قرآن کے علاوہ رسول کی سینکڑوں حدیثیں۔ بیسیوں خطبے ہمارے پاس ہیں ہمارے پیش نظر ہیں تو پھر ایک طرف قرآن کی آیتیں رکھ لو ایک طرف رسول کی حدیثیں اور خطبے رکھ لو اور دیکھو ہزاروں آیتوں اور ہزاروں حدیثوں میں کوئی ایک آیت کسی حدیث رسول سے ملتی ہے یا نہیں۔ غالب کا کلام میر کے کلام میں ملا دو تو فرق ہو جاتا ہے یا نہیں۔ انیس کا کلام دبیر کے کلام میں ملا دو تو امتیاز ہو جاتا ہے یا نہیں تو پھر جب کوئی ایک حدیث رسولؐ کسی ایک آیت قرآنی سے ملتی ہی نہیں تو تم کس منہ سے کہہ رہے ہو کہ حدیثیں اور خطبے بھی رسولؐ کے اور قرآن کی آیتیں اور سورہ بھی رسولؐ کے۔

اس کے بعد ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ مثلاً یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی جاہل ایسا شعر کہے جو دلکش ہو عام پسند ہو مگر اس شعر میں علمی مطالب بھی ہوں اور فلسفہ کی باریک گتھیوں کی عقدہ کشائیاں بھی ہوں نہ کبھی ہوا ہے اور نہ آئندہ کبھی ہو گا۔ لہذا جب یہ مسلم کہ رسولؐ نے نہ کسی سے پڑھا تھا نہ سنا تھا نہ کتابوں میں دیکھا تھا تو آپ کا کلام فصیح و بلیغ تو ہو سکتا تھا لیکن ناممکن تھا کہ کلام میں فلسفہ ہو حکمت ہو ہر تعلیم عقل کے مطابق ہو ہر چیز اول و آخر عالم کا لحاظ کرتے ہوئے ہو یہ مسلم ہوا۔

خود قرآن کے معانی و مطالب کی گہرائیاں بتاتی ہیں کہ وہ کہیں اور سے آیا تھا اور پھر فصاحت و بلاغت انسانی کی بھی ایک حد ہوتی ہے جو آج تک کبھی اتنی بلند نہیں ہوئی کہ کسی دوسرے شخص کے کلام کا اتنی حد تک پہنچ جانا ناممکن ہو سو جیسے کسی کا ایک شعر یا کوئی عبارت بے نظیر ہو گئی تو اس وقت نہ سہی مگر کبھی نہ کبھی اس کا جواب نکل ہی آیا مگر کلام کا اتنا بلند ہونا کہ کبھی اس کا جواب ہو ہی نہ سکے دلیل ہے اسکی کہ انسانی قدرت سے بالاتر تھا اسی وجہ سے بڑی سے بڑی انسانی طاقت بھی مقابلہ نہ کر سکی۔ دیکھئے معجزہ کے معنی یہ ہیں کہ جس نبی کو وہ معجزہ دیا گیا ہے اسی نبی کے زمانہ والے اس معجزہ کا جواب نہ لا سکے تو اب صرف ہمارے رسول کے زمانہ والے ہی قرآن کا جواب نہ لا سکتے اور اس کے بعد قرآن کا جواب بن بھی جاتا تو بھی قرآن معجزہ تھا لیکن جب اس وقت تک جواب نہ لا سکے اور آئندہ بھی جواب نہ لا سکیں گے تو کیوں نہ کہا جائے گا کہ ہر زمانہ کی قوت انسانی سے بالاتر کلام ہے۔

اور جناب عالی یہ ہوا کیونکہ ہر نبی کا معجزہ لاجواب تھا اسی وقت تک جب تک وہ نبی موجود رہا اور ہمارے نبی کا معجزہ قیامت تک باقی اور لاجواب۔ اسکی وجہ میں تو یہی عرض کروں گا کہ جب کسی امت کا نبی نہ رہے تو معجزہ کا جواب شاید ممکن ہو مگر جب نبی موجود ہو تو جواب ناممکن ہے لہذا اگر ذات محمدی ختم ہونے والی ہوتی تو ممکن تھا ایسا معجزہ دیا جائے جس کا جواب بعد نبی ممکن ہو سکے نہ حقیقتاً بلکہ بحیثیت تعریف معجزہ ہوگا مگر جب ذات محمدی موجود ہے چاہے علیؑ کے جلووں میں یا حسنؑ کی صورت میں یا حسینؑ کی سیرت میں یا قائم آل محمدؑ کے شکل و شمائل میں تو جب تک ان میں کا ایک بھی رہیگا قرآن رہے گا اور اسی دعوے کے ساتھ کہ

ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ جو کچھ ہم نے
اپنے بندے پر نازل کیا اگر اس میں تم کو شک ہو تو اسکے مثل ایک سورہ لے آؤ اور
اگر اکیلے نہیں کر سکو تو خدا کے علاوہ اور جو بھی تمہارا مددگار ہو اس کو بھی بلا لو۔ مگر
ایک آیت کا بھی آج تک نہ کوئی فرد واحد جواب لا سکا نہ کوئی جماعت جواب
دے سکی تو معلوم ہوا کہ قرآن جس طرح رسول کے زمانے میں معجزہ تھا اسی طرح آج بھی
ہے ہاں بس فرق یہ ہے کہ اس زمانہ میں حامل قرآن محمدؐ کی ذات تھی اور آج حامل
قرآن انہی کے فرزند قائمؑ آل محمدؐ کی ذات ہے اس زمانہ میں حامل قرآن رسول تھا اور آج
نائب رسول ہے اسوقت حامل قرآن نبی تھا اور آج امام ہے اسی لئے تو رسول
رحمۃ العالمینؐ نے فرما دیا تھا کہ اہلبیت اور قرآن میں قیامت تک کبھی جدائی
نہیں ہو سکتی یہ دونوں ہر موقع پر ساتھ ساتھ ہوں گے۔ رسول کی حدیث کے
الفاظ سے تو صرف یہی ظاہر ہوتا تھا کہ ان دونوں میں کبھی جدائی نہ ہوگی لیکن اور
کے حالات بتاتے ہیں کہ شاید رسول کا اشارہ اس طرف بھی ہو کہ شاید ساتھ ساتھ
رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو صورتیں قرآن کو درپیش ہونگی وہ سب اہلبیت کو بھی
درپیش ہونگی اگر قرآن کی بے حرمتی کی جائے گی تو اہلبیت کی بھی بے حرمتی کی جائیگی
اگر قرآن کو تیروں سے چھلنی کیا جائیگا تو اہلبیت کا بھی کوئی نہ کوئی فرد تیروں سے
چھلنی کیا جائیگا اگر قرآن کو جلایا جائیگا تو اہلبیت کے گھر بھی جلیں گے اگر قرآن
کو اپنا مرکز روح محمدؐ چھوڑنا پڑے گا اور فلک کی منزل سے زمین پر آنا پڑیگا تو
کبھی ہمارا رسول اسلام پھیلانے کیلئے مدینہ کی طرف ہجرت کریگا اور کبھی حسینؑ کو
اسلام کی حفاظت کیلئے مدینہ سے ہجرت کرنا ہوگی مگر فرق یہ ہے کہ قرآن نے جب تک محمدؐ

کی منزل اچھوٹی تو رسولؐ ایسے امین کا سینہ اس کا محافظ تھا رسولؐ نے جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مدینہ والوں نے سر آنکھوں پر جگہ دی لیکن جب حسینؑ نے مدینہ سے ہجرت کی تو آلام کتنے مصائب کتنے گرمی کا زمانہ تھا عرب کا تپتا ہوا جنگل تھا عورتوں اور بچوں کا ساتھ تھا دشمنوں کا سامنا تھا۔

حاضرین مجلس ایام عزا کی ابتدا ہے عزاخانہ کی پہلی مجلس ہے یوں تو ہر شیعہ سال کے کسی ایک دن میں بھی غم حسینؑ سے غافل نہیں رہتا کوئی عزیز یا دوست یا مومن انتقال کر گیا اور ہم نے فرش عزا بچھا دیا کوئی شادی ہوئی تو ہماری محترم عورتوں نے پہلے ماتم کر لیا پھر فرش مسرت بچھایا کسی غریب کو۔ مسافر کو۔ شہید کو دیکھ لیا تو اپنے شہید اعظم کو یاد کر لیا اپنے کسی عزیز کا فاتحہ دلوایا تو نذر امام حسینؑ کو بھی فراموش نہیں کیا جب بھی ٹھنڈا پانی پیا تو حسینؑ کی پیاس یاد کر لی ہر نماز کے بعد روضۂ اقدس کی طرف رخ کیا اور سلام کر لیا۔ السلام علیک یا ابن رسول اللہ یعنی یہ واقعہ ہے کہ ہم کسی وقت بھی اپنے سید و سردار سید الشہداءؑ کو نہیں بھولتے لیکن اتنا ضرور ہے کہ جب محرم کا چاند دیکھ لیتے ہیں تو اب غم و الم کی حد نہیں رہتی بس سوائے مجلس و ماتم کے کسی کام میں دل نہیں لگتا۔ کسی کام کو دل ہی نہیں چاہتا اور یہی محبت کی پہچان ہے۔ جھوٹے ہیں وہ لوگ جو محبت حسینؑ کا دعویٰ کریں اور بغیر کسی مجبوری کے غم حسینؑ کو بھول کر دنیا کے کاموں میں مشغول ہوں خوشیاں منائیں عیش و عشرت کریں۔ آرام و راحت کے دن گزاریں یہ خبر نہ ہو کہ آج کون تاریخ ہے کس کے غم کی ابتدا ہے ہم مسلمانوں میں ہیں اور ایسے لوگ ضرور ہیں جن کے یہاں آج بھی خوشیاں ہیں۔ مگر ہمارے

یہاں تو بڑے سے بڑے غم کی ابتدا ہے اسلئے مناسب ہے کہ میں بھی آج مجلس ماتم میں وہی حال عرض کروں جہاں سے گویا عزاداری کی ابتدا ہوئی اور بظاہر بظاہر غم کی بنیاد پڑی یعنی معاویہ نے تخت سلطنت خالی کر دیا اور گوشہ قبر آباد کیا یزید مدعی خلافت بن کر حقوق اہلبیت کا غاصب بنا سب سے پہلے اپنے باپ کا سوگ منایا اور زرتار قبا پہن کر مسند نشین سلطنت ہوا اہل شام سے بیعت لی اور حاکم مدینہ ولید کو خط لکھا کہ حسینؑ ابن علیؑ سے میری بیعت لو اور اگر انکار کریں تو سر قلم کر کے میرے پاس بھیجدو۔ ولید نے مروان کو بلایا اور کہا کہ یزید کے پاس سے یہ خط آیا ہے تیری کیا رائے ہے مروان نے کہا کہ ابھی معاویہ کے مرنے کی خبر کو پوشیدہ رکھو اور حسینؑ ابن علیؑ کو اسی شب کے پردے میں بلا کر بیعت لے لو اگر انکار کریں تو قتل کر دو۔ ولید نے اس رائے کو پسند کیا اور عبداللہ بن عثمان کو بھیجا کہ جا کر امام حسینؑ کو بلا لائے ادھر امام حسینؑ مسجد رسولؐ میں تشریف فرما تھے کہ عبداللہ بن عثمان نے آکر ولید کا پیغام پہنچایا امام نے فرمایا اچھا کہہ دو کہ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں اس کے بعد امام حسینؑ اٹھکر دولت سرا میں تشریف لائے آلات حرب جسم پر آراستہ کئے تیس چالیس عزا و اقربا کو ساتھ لیا اور ولید کے مکان پر آئے تمام اصحاب کو یہ کہہ کر دروازہ کے باہر چھوڑا کہ اگر میری آواز بلند ہو تو تم سب گھر کے اندر داخل ہو جانا اور جیسا وقت ہو ویسا عمل کرنا یہ فرماکر دار الامارہ میں داخل ہوئے ولید نے نہایت عزت و احترام سے پہلو میں جگہ دی امام حسینؑ کے سامنے یزید کا خط پیش کیا آپ نے خط پڑھکر ارشاد فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اے ولید تم اس کو پسند کرگے

اور نہ یہ مناسب ہی ہے کہ شب کے پردہ میں بیعت کی جائے جب صبح کو
تمام اہل مدینہ کو جمع کرنا تو مجھ کو بھی بلا لینا اس وقت جیسا مناسب ہو گا
وہ کیا جائے گا ولید خوش ہو گیا واپس جانے کی اجازت دی امام حسین علیہ السلام
اٹھے ہی تھے کہ مروان کہہ بیٹھا کہ ولید کیا کرتا ہے اگر حسینؑ اس وقت قابو سے
نکل گئے تو پھر بیعت لینی مشکل ہو جائے گی لہٰذا یا تو اسی وقت بیعت لے لے
اور یا قتل کر دے بس یہ سننا تھا کہ علیؑ کے نور نظر کو غصہ آ گیا۔ فرمایا کہ او پسر زن
کبود چشم تو مجھ کو قتل کرے گا یا ولید کی یہ مجال ہے؟ بس اس آواز کا بلند ہونا تھا
کہ اصحاب حسینؑ بےچین ہوئے اور دارالامارہ میں بنی ہاشم کی تلواریں چمکتی ہوئی
نظر آئیں بعید تو نہیں کہ آگے آگے عباس ہوں اور چچا کے قدم سے قدم ملائے علی اکبر
ہوں میرا دل کہتا ہے کہ اصحاب کے بگڑے تیور پکار پکار کے کہہ رہے ہوں گے کہ ابھی ہم زندہ
ہیں حسینؑ کو بیکس نہ سمجھنا شیعوں کو بچپن تا دیکھ کر حسینؑ نے سینوں پر ہاتھ رکھ دیئے ہوں گے
بس میرے بہادرو۔ میرے غیرتمندو۔ بس ہم آل رسولؐ ہیں پیش دستی نہیں کرتے
اصحاب کے حلقہ میں لیا خوشی خوشی واپس آئے مگر افسوس یہ بہادر اس دن کہاں
تھے جب حسینؑ ایک ایک کا نام لے کر پکار رہے تھے کہ اے اے حبیب ابن
مظاہر اے ابن مسلم بن عوسجہ کہاں ہیں کہاں ہیں حبیب ابن مظاہر
کہاں ہیں کہاں ہیں مسلم بن عوسجہ کہاں ہے میرا نور نظر علی اکبر کہاں ہے
میرا بھائی عباس اے میرے غیرتمندو تم کو کیا ہو گیا۔ کہ میں تم کو پکارتا ہوں اور تم
جواب نہیں دیتے ادھر یہ صدا بلند ہوئی اور ادھر اصحاب کی لاشیں زمین
پر تڑپیں۔ کٹی ہوئی گردنوں سے آواز آئی کہ مولا ہم اب بھی مدد کو حاضر ہیں

مگر کیا کریں موت نے ہم کو مجبور کر دیا۔ اجرکم علی اللہ۔

بہر حال اس کے بعد امام۔ اصحاب کے حلقہ میں دولت سرا واپس تشریف لائے میرا دل کہتا ہے کہ جب سے حسینؑ دار الامارہ کی طرف تشریف لے گئے ہوں گے چاہنے والی بہن زینب بال کھولے ہوئے صحن میں دعائیں کر رہی ہونگی، پالنے والے اپنے بیکس بھائی کو تیری حفاظت میں دیتی ہوں تو ہی میرے بھائی کو مجھ سے ملانا کبھی گھبرا کر دروازے کے قریب آتی ہونگی کہ دیکھوں میرا بھائی آیا یا نہیں، کبھی پھر پلٹ کر صحن خانہ میں آتی ہوں گی۔ یکایک بھائی کو دیکھا کہ صحیح و سالم تشریف لائے دل کہتا ہے کہ دوڑ کر گلے سے لگایا ہو گا کہ میرا بھائی صحیح و سالم مجھے مل گیا۔ ہاں عزادارو! یہ مدینہ تھا جہاں بچھڑے ہوئے بھائی سے بہن مل سکی مگر جب کربلا میں حسینؑ بہن سے رخصت ہو کر گئے تو پھر زندگی میں بھائی کی زیارت ممکن نہ ہوئی! منتظر تھیں زینب اور بڑے ہی بے چینی سے کہ ایک مرتبہ بھائی کو پھر دیکھ لوں مگر افسوس کہ بھائی کے بجائے حسینؑ کے اسپ وفادار کی آواز سن سکینہ دوڑ کر دروازے کے قریب آئیں عجب قیامت دیکھی باگیں کٹی ہوئیں زین ڈھلکا ہوا۔ پیشانی خون سے رنگین دونوں سموں سے لپٹ گئیں ہیے باپ کے وفادار فرس میرے باپ کو کہاں چھوڑ آیا؟ شہزادی کی گریہ و بکا کی آواز سن کر تمام اہل حرم خیموں سے باہر نکل آئے اور نوحہ و ماتم شروع کیا ام کلثوم کی نظر پڑی بہن جناب زینب پر پڑی ارشاد فرمایا بہن آپ نے دیکھا کہ ہم پر کیا مصیبت پڑی ہائے ہمارا شرف مٹ گیا ہمارا سید و سردار ہمارا بھائی شہید کر دیا گیا صاحب ناسخ کہتے ہیں کہ ادھر تو جناب ام کلثوم یہ نوحہ پڑھ رہی تھیں ادھر تمام اہل حرم سر و سینہ پیٹ

رہتے تھے سب نے گریبان چاک کر ڈالے عزاداران حسینؑ کیا اسی منظر کی شبیہ نہیں ہے کہ جب مجلس میں ذوالجناح آتا ہے تو ہمارے گریہ وبکا کی حد نہیں رہتی، اگر ہم ماتم کرتے ہیں تو اعتراض نہ کیجئے یہ تو وہ منظر تھا جو کربلا میں نظر آیا راوی کہتا ہے جب حسینؑ کا فرس زبان بے زبانی سے حسینؑ کی خبر شہادت سنا چکا تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل حرم کا نوحہ و ماتم برداشت نہ کر سکا اور دوڑ کر اپنے کو فرات میں گرا دیا اور پھر اس فرس کو کسی نے کبھی نہ دیکھا۔

الا لعنت اللہ علی قوم الظالمین

مجلس دوم

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء و المرسلین سیدنا ونبینا وشفیعنا ابی القاسم محمد و آلہ الطیبین الطاہرین ۔ اما بعد فقد قال اللہ تعالیٰ وتبارک فی کتابہ المبین وھو اصدق القائلین ۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ ۔ ولو امن اھل الکتٰب لکان خیرا لھم ۔ منھم المؤمنون واکثرھم الفاسقون ۔ (پارہ ۴ سورہ آل عمران ع آیت ۱۰۹)

"تم کیا اچھی امت اور کیسے بہترین لوگ ہو جو انسانوں کی ہدایت کے واسطے پیدا کئے گئے اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو بری باتوں سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو اور اگر کتاب والے بھی ایمان لے آتے تو ان کے واسطے بہت اچھا تھا۔ مگر ان میں کچھ تو ایماندار ہیں اور بہت زائد فاسق و فاجر ہیں"

قرآن کریم کی آیت لسان قدرت بن کر خاتم نبوت سید المرسلین کے سینۂ بے کینہ میں خدا کی رحمت کی طرح نازل ہوئی اور زبان رسالت نے اپنے اعجاز کا اندازہ میں

ہر سننے والے تک کمال فصاحت و بلاغت کے ساتھ پہنچائی کسی نے الفاظ آیت لکھے کسی نے یاد کئے کوئی مطلب سمجھا کوئی نہ سمجھا کسی نے وہی معنی اور مطلب باقی رکھا جو خدا کا منشا تھا کسی نے اپنی مرضی سے جو پسند کی وہ تفسیر بتائی مگر خدا کا شکر ہے کہ وعدۂ الٰہی پورا ہوا وہ قرآن کے مدرشن الفاظ میں فرما چکا تھا کہ ہم نے تم پر قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے معصومینؑ نے تو اپنے سینوں کے تہائی خزانوں میں ایمان و دیانت کے قفل لگا کے عصمت کے پہرے بٹھا دئے مگر خدا نے بھی اپنی قدرت کاملہ سے حفاظتِ قرآن کا وعدہ وفا فرمایا۔ توریت نابود ہے زبور کا وجود نہیں انجیل کی اصلی صورت نگاہوں سے پنہاں ہے لہذا جو معنی جس شخص نے سابق کی کتابوں کے لکھ دئے لکھ دئے عالم میں شائع کر دیئے وہی ہم تک پہنچ سکے اور اب ہم انہی ترجمہ کرنیوالوں کے ہاتھوں میں ہیں انہوں نے غلط معنی کہے تو ہم کو عذر کا موقع نہیں کچھ کم کر دیا تو گنجائش کلام نہیں اصلی تفسیر کی تو ہم کو اختیار نہیں اپنے دل سے تاویل گڑھی تو مجال سخن نہیں اگر اصل ہمارے ہاتھ میں ہوتی تو ہم بھی کچھ کہتے کچھ عقل پر زور دیتے اصلی مطلب سمجھنے کی کوشش کرتے مگر جب اصل ہے ہی نہیں صرف ترجمہ ہے تو اب کہیں کیا زبان کیا کھولیں جو دوسروں نے لکھ دیا اسی کے پابند ہو شکایت کی گنجائش نہیں اس کے برخلاف قرآن اپنی اصلی صورت و شکل اور زبان میں اب تک موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔

تاہم مسلمان کوشاں ہیں کہ نماز اردو میں ہو قرآن کا صرف ترجمہ پڑھو بھائیوں کے عربی میں ہونے سے کوئی فائدہ نہیں نکاح طلاق سب اردو میں ہو تا ترجمہ

اور عیدین کے خطبہ ہر پڑھنے والا اپنی زبان میں پڑھے لیکن یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اگر احکام شریعت میں زبان عربی کی اتنی پابندی نہ ہوتی تو تغیرات عالم زبان عربی کو نیست ونابود کر دیتے نیز غیر اقوام سے میل ملت زبان عربی کو اتنا بدل دیتا کہ آج نہ ہماری سمجھ میں قرآن آتا نہ کوئی حدیث سمجھ میں آتی نہ علم عربی دنیا میں باقی رہتا نہ وہ اصلی زبان باقی رہتی یا د رکھیے کہ یہ قرآن کا ہی صدقہ ہے کہ آج زبان عربی لاکھ بدل جائے محاوروں میں لاکھ تبدیلی آجائے لیکن ادھر قرآن نظر میں کے سامنے آیا اور ادھر وہی الفاظ و محاورات زبان پر جاری ہو گئے جو چودہ سو برس قبل تھے آج قرآن کے ترجمہ تقریباً ہر زبان میں موجود ہیں اسی طرح ہر مفسر نے اپنی عقل اپنے فہم اور اپنے جذبات کے مطابق تفسیر بھی کی ہے لیکن ہم کسی بھی تفسیر کے پابند نہیں جس طرح ان کو تفسیر کا حق تھا اسی طرح ہم کو بھی ہے کہ اقوال معصومینؑ کو پیش نظر رکھتے ہوئے تفسیر و تاویل قرآن میں کوشش کریں اور اپنے فہم و اجتہاد کے مطابق بڑے سے بڑے عالم پر اعتراض کر دیں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ عقل و اجتہاد کے دروازے کیوں کھلے رہے؟ صرف اس وجہ سے کہ تمام علوم عربیہ قرآن کے صدقہ میں آج تک اسی اصلی زبان میں باقی ہیں ہے بلکہ میں تو اس کا بھی مخالف ہوں کہ قرآن و حدیث کا لفظی ترجمہ کر کے عوام کے ہاتھوں میں دیدیا جائے آپ اسی آیت کو لے لیجئے جو میرا سرنامہ کلام ہے ارشاد ہوتا ہے۔ کنتم خیر امۃ تم کیا اچھا گروہ تھے یہی آیت اس ترجمہ کے بعد جو میں نے کیا عین مذمت ہوگی جیسے آپ فرمائیں۔ ہائے افسوس کیا اچھا لڑکا تھا تو یہی معنی ہونے تاکہ اب ایسا نہیں بہت برا ہو گیا تو اب قرآن کی آیت بھی اپنے نزول کے وقت جن لوگوں سے مخاطب

ہو کر کہہ رہی تھی کہ تم کیا اچھے لوگ تھے اب آپ ہی فرمایئے کہ اس ترجمہ کے بعد ان کی مذمت نکلی یا مدح یہ غلطی محض اردو ترجمہ کر دینے سے ہوگی لیکن جب عربی میں فرمایئے کنتم خیر امۃ تو اب غلطی اسی کو ہوگی جو علم لغت علم معانی اور انداز بیان سے جاہل ہو مگر جو سمجھدار ہے وہ کہے گا کہ یہاں لفظ کون وجود اور خلقت کے معنوں میں آئی ہے تمہاری خلقت اچھی تم موجود ہوئے پیدا ہوئے تو اچھے اور خیر محض اسی طرح وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ کسی شخص کا پہلے کسی ایک حالت یا صفت پر ہونے سے لازم نہیں آتا کہ اب وہ اس حالت یا حالت پر باقی نہیں ہے جیسے خود قرآن کا ارشاد ہے وکان اللہ علیما حکیما: خدا علیم وحکیم تھا تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے کسی زمانہ میں یہ صفتیں پائی جاتی تھیں مگر اب نہیں پائی جاتی، کوئی مسلمان اسکو قبول نہ کریگا بس جس طرح یہاں خدا پہلے حکیم وعلیم تھا اور اب بھی ہے اسی طرح وہاں بھی وہ ہستیاں اول عمر سے آخر عمر تک خیر ہی خیر رہیں۔

یا پھر یوں فرمایئے کہ اس آیت کا ربط پہلی آیت سے ہے ارشاد ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ آئیں گے تو ان کے چہرے نورانی ہونگے اور کچھ لوگوں کے منہ کالے ہوں گے یہ وہی ہیں جو ایمان کے بعد کافر ہو گئے یا یہ وہ نہیں ہیں جو پہلے ہی سے کافر تھے بلکہ آیت اس بیان میں صاف ہے کہ پہلے مومن ہوئے پھر کافر تو اب کسی کا سابق الاسلام ہونا سبب فخر نہیں بلکہ یہ ثابت کیجیے کہ آخر تک ایمان پر باقی رہا اور اگر یہ نہیں تو کچھ نہیں بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ جو آیت میرا سرنامہ کلام ہے وہ سابق آیت سے مربوط ہے ایک

گروہ والے سیاہ رو ہوں گے اور دوسرے گروہ والوں کے چہرے نورانی کہ
نورانی صورت والوں کے لئے قرآن کا ارشاد ہے کہ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ
خَالِدُوْنَ ۔ وہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رحمتِ خدا میں رہیں گے اس کے بعد
ارشاد ہوتا ہے کہ ان صورتوں سے کہا جائیگا کہ یہ جزا تم کو اس وجہ سے ملی۔ تم دنیا
میں بہترین امت تھے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں کہ تمہیں کیوں کہا ؟

اسکے علاوہ ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم
لوگ توریت و زبور و انجیل میں بہترین امت تھے ہر امت تم کو بہترین امت
سمجھتی رہی کیونکہ صرف یہی نہ تھا کہ محض ہمارے رسولؐ ہی کا ذکر ہر کتاب میں
تھا اور ہر امت ہمارے رسول سے واقف تھی بلکہ آپ کی امت کو بھی جانتی
تھی کہ وہ بہترین امت ہوگی چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ
رُكَّعًا سُجَّدًا ۔ محمدؐ تو خدا کے رسولؐ ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ
کافروں پر بہت سخت اور آپس میں بہت مہربان ہیں (اے مخاطب) تو انکو
کبھی حالت رکوع میں پائیگا اور کبھی سجدہ میں۔ کچھ اور صفات بیان کرنے کے بعد
ارشاد ہوتا ہے کہ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ
محمدؐ کے ساتھ والوں کے یہ صفات توریت میں بھی ہیں اور یہی اوصاف ان کے
انجیل میں بھی مذکور ہیں۔ تو چونکہ اس امت کا ذکر ان صفتوں کے ساتھ پہلی کتابوں
میں موجود تھا اور تمام سابق کی امتیں اس امت کی طرح سے واقف تھیں اسی وجہ سے
قرآن کہہ رہا تھا کہ آج ہی نہیں سابق والوں کے نزدیک بھی تم بہترین امت

تھے لیکن اگر یہی مقصد ہے، تو اصحاب رسول تو سب کے سب بہت خوش ہو جائیں گے کہ رسولؐ کے ساتھی تو ہم ہی ہیں لہذا خیر امت بھی ہم ہی ہیں۔ بجا ارشاد ہوا۔ رسولؐ کے ساتھی تو آپ ضرور ہیں مگر حوض کوثر پر آپ نے دیکھ لیا کہ کیونکر دھکیلے گئے۔ رسولؐ خود فرماتے رہے کہ یہ میرے صحابہ ہیں مگر صحابیت کام نہ آئی کوثر کا ایک قطرہ بھی نہ ملا فرشتوں نے گردن پکڑی اور دھکیلا جہنم میں تو معلوم ہوا کہ ساتھی ہونا کام نہ آیا چاہے کہیں کا ساتھی ہو مگر ہر ساتھی قابل مدح نہیں تو معلوم ہوا کہ ہر صحابی رسول والذین معہ کا مصداق نہ تھا۔ سوچئے گھبرا کر ہو سکتی کہہ اٹھئے کہ سب مراد نہیں بلکہ اشداء علی الکفار پہلے رحماء بینہم دوسرے تراھم رکعا سجدا تیسرے یاد رکھئے اشداء جمع کا صیغہ ہے اور آپ کے نزدیک مراد اس سے ایک تو معلوم ہوا کہ جمع کے صیغہ سے کبھی ایک بھی مراد ہوتا ہے اب اگر ہم کہیں کہ آیۂ انما ولیکم اللہ میں والذین امنوا جمع کا صیغہ ہے مگر مراد اس سے صرف علیؑ تو آپ اعتراض نہ فرمایئے کہ جمع سے ایک مراد نہیں ہو سکتا اچھا تو یہ کہیے کہ اشداء سے سب نہیں صرف اول اور رحماء کا مصداق سب صحابہ نہیں صرف ثانی اور اس کے بعد کے ٹکڑے میں سب داخل نہیں فقط ثالث بہت بہتر یہی مراد ہونگے مگر ذرا ہم ابھی تو آیت کے آئینہ میں واقعات کے نقش ونگار دیکھیے ذرا سمجھ تو لیں کہ بر عکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق تو نہیں ہے جن کو کافروں کے واسطے بہت سخت کہا گیا وہ در اصل کافروں کے واسطے سخت تھے یا نہیں اور جنکو آیت میں کہا گیا کہ آپس میں بہت مہربان تو در اصل آپس میں مہربان تھے یا نہیں مصداق آیت

کے صحیح خد و خال دیکھنے کے لئے کس آئینہ پر نگاہ کروں رسول کی بعثت کے
قبل دیکھوں یا بعثت کے بعد مکہ میں نظر کروں یا مدینہ میں راہ ہجرت میں دیکھوں
یا بعد ہجرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں دیکھوں یا ان کی رحلت
کے بعد میدان جنگ میں دیکھوں یا گھر کی چار دیواری میں اس کافر پہ یہ
سخت تھے جس کے ہاتھ رسیوں سے بندھے ہوں یا اس پر سخت تھے جو
تلوار لئے مقابلہ میں ہو کثیر ہیں مقامات اور بہت ہیں مواقع مگر اتفاق سے
کوئی روشن نہیں کوئی صاف نہیں۔ کہیں آنکھیں پتھرائی ہوئی ہیں کہیں دل
بے قابو کہیں پیروں میں لغزش ہے کہیں ہاتھ بیکار کہیں آنکھوں میں آنسو کہیں
چہرہ زرد۔ جو تصویر ہے وہ عیب سے خالی نہیں کوئی نہ کوئی ہر جگہ موجود آیئے
رسول کی بعثت سے پہلے دیکھیں مگر یہاں تو اشداء علی الکفار کا عمل ہی
نہیں جب وہ خود کفار میں داخل تھے تو سخت کس پر ہوتے؟ اچھا تو آیئے
بعد رسالت دیکھیں۔ یعنی بعثت کے بعد سے قبل ہجرت تک۔ مگر اس تیرہ
سال میں تو اشداء علی الکفار کی تصویر ایک بھی نہ تھا سب ظلم سہ رہے
تھے مصائب اٹھا رہے تھے کوئی تقیہ کر رہا تھا کوئی ہجرت کر گیا تھا لائے
تو تھے اسلام چوتھے پانچویں نمبر پر مگر یہ نہ دیکھا کہ شدید کس پر تھے نام کیوں
لوں مگر تاریخ میں تو یہ ہے کہ بعض لوگوں کی کفار نے نعل عزی سے اتنی خبر
لی کہ منہ بگڑ گیا چہرہ۔ دن صورت بھی نہ پہچانی جاتی تھی اب آیئے میں آپ کو
اشداء علی الکفار کی ایک چھوٹی سی تصویر دکھاؤں۔ کفار نے بچوں کو لگا دیا
کہ جب محمد نکلا کریں تو پتھر مارا کرو۔ رسول جب گھر میں تشریف لائے تو زخمی

علیؑ کم سن ہیں صرف نو یا دس برس کی عمر ہے مگر بے چین ہو کر دریافت حال کرتے ہیں پیغمبرؐ نے کل واقعہ بیان کیا۔ علیؑ نے عرض کی اب آپ جب بھی باہر تشریف لے جائیں تو مجھ کو ہمراہ لے لیں رسولؐ گھر سے نکلے علیؑ ساتھ حسب عادت کے مطابق بچوں نے پتھر مارے علیؑ نے حملہ کر کے سب بچوں کو زخمی کر دیا تمام بچے بھاگ گئے معلوم ہوا کہ یہ تھا اشداء علی الکفار کا مرقع اچھا اب آپ یہ بھی بعد ہجرت دیکھیں کہ کوئی اشداء الکفار میں داخل ہے یا نہیں تو ایک طرف غار ثور ہے اور دوسری طرف رسولؐ کا بیت الشرف ایک طرف جوانی ہے دوسری طرف پیری ایک تصویر بلندی کی ہے دوسری پستی میں ادھر رسول کا پہلو ہے ادھر رسولؐ کا بستر وہاں کا مرقع بے پردہ ہے یہاں رسولؐ کی سبز چادر کا پردہ۔ وہاں گریہ و بکا ہے یہاں صبر و سکون وہاں ڈر کے مارے نیند نہیں مگر مقدر خوابیدہ یہاں خواب راحت ہے مگر مقدر بیدار وہاں اذیت کی آواز ہے لا تحزن یہاں قرآن سایہ فگن ہے وہیں ان اللّٰہ معنا یہی پیری کہاں جوانی کہاں۔ رونا کہاں ہنسنا کہاں بے صبری کہاں صبر و سکون کہاں لا تحزن کی پکار کہاں۔ رحمت الٰہی کی بوچھار کہاں۔ دشمن کی صورت دیکھے بغیر بیتابی اور ہے اور ایک نہیں چالیس سرداروں میں شجاعت کے تیور اور ہی ہیں۔ اشداء علی الکفار وہ تھے جو رو رہے اور یہ کہ جن کو دیکھ کر کافر کو غش آ گیا۔

گزرا یہ وقت بہت اچھا۔ اب میدان جنگ میں دیکھئے بدر کا عالم دیکھ کر

بنا دیئے کفار کے واسطے کون سخت؟ وہ جس نے خون برسایا۔ سروں کے ڈھیر لگا دیئے یا وہ جو رسولؐ کے ساتھ شامیانے میں بیٹھا رہا میدان جنگ میں مڑ گیا پیر بھی نہ رکھا احد میں دیکھئے اور فرمایئے کہ میدان میں کون اور پہاڑ کی چوٹی پر کون خدا کی رحمت کے سایہ میں کون پتھروں کی آڑ میں کون کھلا ہوا آئینہ ہے روشن خدوخال ہیں بے نقاب تصویریں ہیں ایمان سے فرمایئے کہ وہ ہیں اشداء علی الکفار جنکے واسطے آیت کہہ رہی ہے کہ بلغت القلوب الحناجر۔ دل کھنچ کھنچ کر حلقوں میں آ گئے تھے یا وہ جنکے واسطے قرآن کا ارشاد تھا کہ کانہم بنیان مرصوص یوں جم گئے جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار آیئے جنگ حنین میں قرآن سے پوچھیں تو آواز دے گا ثم ولیتم مدبرین تم پیٹھ دکھا کر بھاگے ہاں اسی میدان میں جناب عباس اپنے فرزند سے اشداء علی الکفار کو دریافت کرتے ہیں کہ سب تو سب گیا آج ابوطالب کا فرزند بھی میدان سے ہٹ گیا۔ بیٹا جواب دیتا ہے کہ ذرا بابا بلند ہو کر دیکھو وہ جو کفر کی بدلی میں بجلی کوند رہی ہے کوئی اور نہیں علیؑ ہی کی تلوار ہے اب فرمایئے کہ اشداء علی الکفار کون تھا۔

آیت کا دوسرا ٹکڑا رحماء بینہم "وہ لوگ آپس میں بہت مہربان ہیں بڑے رحم دل ہیں" جو مہربان ہیں وہ ہیں ہی مگر عام مفسرین اس ٹکڑے کو دوسروں ہی کے سر منڈھتے ہیں کہ سب کا ذکر نہیں صرف وہی تھے اچھا تو پھر آیئے دیکھیں رحماء کے مصداق کون تھے؟ کیا وہ مصداق تھے جو عمر بھر رسولؐ کی مخالفت پر کمر باندھے رہے یہاں تک کہ آخری وقت جب عالم میں عمر بھی مریض

کی دل شکنی نہیں کرتے جو کچھ مریض کہتا ہے بعد کو اسے کریں یا نہ کریں مگر مریض کے سامنے انکار نہیں کرتے مگر آں جناب نے اس عالم میں بھی رسول پر رحم نہ کیا وہ فرماتے ہیں کہ لاؤ قلم دوات کہ میں کچھ لکھ دوں اور یہ فرماتے ہیں کہ ہر گز نہ دینا اب آپ ہی فرمایئے کہ رسولؐ کے دل پر چوٹ لگی ہو گی۔ بس کچھ ایسا صدمہ پہنچا کہ آپ نے فرمایا نکل جاؤ یہاں سے رحمت تو بیشمار کے اگر کچھ اور موقع دیکھنا ہو تو چاہے فاطمہؑ کا مجروح پہلو دیکھ لیجئے۔ چاہے علیؑ کے گلے میں رسی دیکھ لیجئے اور چاہے رسولؐ کی اکلوتی بیٹی کے ہاتھ سے فدک کا پروانہ لے کر پھاڑ ڈالنے کو دیکھ لیجئے اور آگے بڑھیئے اور سلاحا جنبیشمہ کی تصدیق زبان صحابہ سے اس وقت سنئے جب حضرت ابوبکرؓ کا وقت آخر ہے اور آپ قصد فرما رہے ہیں کہ حضرت عمر کو اپنے بعد خلیفہ کریں تو آپ نے لوگوں سے مشورہ شروع کیا سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ عمر کو خلیفہ بناؤں عبدالرحمٰن نے کہا جی انسے بہتر کیا ہے مگر وہ بڑے سخت مزاج، غصہ ور ہیں اگر ان کو حکومت ملی تو مسلمان بڑی سختی میں پڑ جائیں گے۔ ابوبکر نے کہا۔ کہ ہاں اس وقت تو بے شک بہت غصہ ور آدمی ہیں مگر جب خلافت کا بار پڑے گا تو نرم ہو جائیں گے اس کے بعد طلحہ آئے جب ان کو معلوم ہوا کہ خلافت عمر کو مل رہی ہے تو بگڑ گئے اور کہنے لگے اے ابو بکر آخری وقت تو خدا سے ڈرو ایسے سخت دل کے سپرد کر دو گے جو مسلمانوں کو تکلیفیں دے گا تو قیامت میں خدا کو کیا جواب دو گے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ طلحہ کون تھے؟ یہ وہ تھے جن کو عشرہ مبشرہ

میں شمار کیا جاتا ہے۔ یعنی جن کے واسطے کہا جاتا ہے کہ رسول نے جنت میں داخل ہونے کی بشارت دی معلوم ہوا کہ عبدالرحمن اور طلحہ بہ گواہ تھے کہ عمر رحماء بینہم کا مصداق نہ تھے بلکہ بہت غصہ ور جن کے ہاتھوں مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے کا ہر وقت اندیشہ تھا بس آخر کلام میں عمر کے رحمدل ہونے کی ایک اور مثال سن لیجیے۔ ابوبکر نے انتقال کیا اور ان کی بہن چند عورتوں کو ساتھ لے کر سرہانے بیٹھ گئیں اور رونا شروع کیا عمر نے اگرچہ چند مرتبہ منع کیا۔ مگر بہن کا دل تھا بھائی کے غم میں کیونکر تھمتا عمر کے ڈانٹنے سے وہ کچھ دیر کے لئے رکیں مگر بعد میں پھر رونا شروع کر دیا۔ اب عمر کو تاب ضبط باقی نہ رہی ہاتھ پکڑا اور گھسیٹے ہوئے باہر لے گئے تازیانہ اٹھایا اور مارنا شروع کر دیا۔ ملاحظہ فرمایا غمزدہ بہن اور وہ بھی اپنے نزدیک خلیفہ رسولؐ کی بہن پھر حضرت عمر محرم بھی نہیں نامحرم۔ آپ کون ہٹانے والے آپ کو کیا حق روکنے کا اور پھر بے خطا تازیانہ مارنا اب کیا کوئی بھی انصاف پسند آدمی ایسے شخص کو رحماء بینہم کا مصداق کہہ سکتا ہے۔

ہاں ہاں یہی سیرت تھی جس پر راہ کو فہ و شام میں عمل کیا گیا کہ اگر کسی بی بی کی آنکھوں سے آنسو نکل آتا تھا تو ملاعنہ نوک نیزہ سے اذیت دیتے تھے اور یہی سیرت ہے جس پر آج تک عمل ہو رہا ہے اور ہم کو غم حسینؑ میں آنسو بہانے سے روکا جا رہا ہے۔ ہاں ہاں حسینؑ سے یزید ایسے فاسق و فاجر کی بیعت کا سوال ہو اور ہم خاموش رہیں حسینؑ ابن علیؑ کو مدینہ سے چھڑایا جائے اور ہمارے آنسو نہ بہیں زینبؑ و ام کلثومؑ بھائی کی بے لبسی دیکھ کر آنسو بہائیں

اور ہمارے آنسوؤں کے بس میں ناممکن ہے اور بالکل ناممکن۔

ہاں عزاداران حسین ؑ غم کی ابتداء ہے اور آج ہر شیعہ کے گھر میں ماتم کی صف، بے لباس عزا زیب جسم ہے ہر چہرہ پر گرد و ملال ہے کیونکہ حسین مظلوم کے سفر غربت کی ابتدا ہے۔ معاویہ کے مرنے کے بعد یزید کا خط ولید کے نام آیا کہ حسین سے بیعت لینے میں سختی کرنا اور حق کے فدائی اسلام کے محافظ امام زمانہ نے ہر سختی کے باوجود بیعت سے انکار کر دیا۔ مگر اب مدینہ میں رہنا ممکن نہ تھا۔ ولید تو کسی طرح امام حسین کو قتل کرنے پر تیار نہ تھا۔ مگر مروان کا بار بار اصرار تھا کہ اگر حسین کو قتل نہ کیا تو پھر قبضہ میں نہ آئیں گے بڑا فتنہ و فساد ہوگا۔ بڑی خونریزی ہوگی۔ حسین کو یہ گوارہ نہ تھا کہ مدینہ رسول کی بے حرمتی ہو اس لئے سفر غربت پر آمادہ ہوئے مگر سب سے پہلے نانا کی قبر پر آئے دو رکعت نماز پڑھی اور درگاہ باری میں مناجات شروع کی اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قَبْرُ نَبِیِّكَ وَاَنَا ابْنُ بِنْتِ نَبِیِّكَ وَقَدْ حَضَرَنِیْ مِنَ الْاَمْرِ مَا قَدْ عَلِمْتَ پروردگار یہ تیرے حبیب کی قبر ہے اور میں تیرے نبی کا نواسہ ہوں۔ جو مصیبت مجھ پر نازل ہوئی اس کو تو خوب جانتا ہے۔ میرے مالک تو جانتا ہے کہ مجھ کو برائی سے نفرت اور نیکی سے محبت ہے میرے رب میں تجھ کو اسی صاحب قبر کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھ کو وہ چیز بتا دے جس میں تیری رضا اور تیرے رسول کی خوشنودی ہے۔ یہ دعا کر رہے ہیں اور رو رہے ہیں آخر نانا کی قبر پر سر رکھا اور سو گئے۔ خواب میں دیکھا کہ نانا تشریف لائے ہیں آتے ہی رسول ؐ نے نواسہ کو سینے سے لگا لیا۔ پیشانی کا بوسہ

کیا۔ میرے بچے۔ میرے نورِ نظر میرے محبوب حسینؑ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ تو بھوکا پیاسا کربلا کی تپتی زمین پر اپنے خون میں لوٹ رہا ہے میرے بچے میں دیکھ رہا ہوں کہ میری امت کے بدکرداروں نے تجھے ذبح کر دیا تیرے اعضا ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے میرے نورِ نظر تیرے ماں۔ باپ بھائی سب میرے پاس آ گئے۔ وہ سب تجھ سے ملنے کے لئے بے چین ہیں حسینؑ اے حسینؑ خدا نے۔ جو بلند درجات تیرے لئے معین کئے ہیں ان تک بغیر شہادت کے پہنچنا ممکن نہیں نانا کا یہ کلام سن کر حسینؑ نے عرض کی کہ نانا جان میں اب دنیا میں رہ کر کیا کروں گا مجھ کو تو آپ اپنی قبر میں لے لیجئے۔ نانا نے جواب دیا نہیں بیٹا تیرا دنیا میں پلٹ کر جانا ضروری ہے تیری شہادت ضروری ہے۔ خدا کی مشیت ہی یہ ہے کہ وہ تجھ کو اپنی راہ میں شہید دیکھے یہ خواب دیکھ کر امام بیدار ہو گئے اور اب سفر کی تیاریاں شروع ہو گئیں مدینہ میں خبر مشہور ہوئی کہ آج رسول کا نواسہ ہم سے جدا ہو رہا ہے۔ مدینہ اجڑ رہا ہے۔ قبرِ رسول بے چراغ ہو رہی ہے امام حسین نے پورا دن سامانِ سفر درست کرنے میں گزارا رات ہوئی تو پھر نانا کی قبر سے رخصت ہونے کے لئے آئے قبرِ مبارک کو سینہ سے لگا لگا کر رخصت ہوئے اب مادرِ گرامی اور بھائی کی قبر پہ آئے حسین ہی بتا سکتے ہیں کہ کس دل سے ماں کی قبر چھوڑی کیونکہ بھائی کی لحد سے جدا ہوئے آخری زیارت تھی اور آخری رخصت تھی لہذا تمام رات جنت البقیع میں گزاری صبح ہوتے ہوتے دولت سرا میں تشریف لائے سب سے

پہلے محمد حنیفہ آئے میرے بھائی، میرے سید و سردار آپ جانتے ہیں کہ مجھ کو آپ سے زائد کسی سے محبت نہیں آپ سے زائد کون مستحق ہے جس کو میں صحیح مشورہ دوں آپ ہرگز یزید کی بیعت نہ کیجئے مگر ان شہروں میں بھی نہ رہیئے جو یزید کے قبضہ میں ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ذات اس دنیا سے اٹھ جائے جو شرف و عظمت و جلالت میں اپنا جواب نہیں رکھتی امام نے فرمایا کہ بھائی یقین رکھو اگر تمام دنیا میں بھی میرے لئے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی جب میں یزید کی بیعت نہ کروں گا۔ بس یہ سننا تھا کہ محمد حنیفہ امام کا مطلب سمجھ گئے کہ اپنی شہادت کی خبر دے رہے ہیں۔ رو دئے محمد حنفیہ اور شدت سے رو دئے اور بھائی کو روتے دیکھ کر حسین بھی رو دئے فرمایا کہ بھائی روو نہیں میں تو ابھی مکہ ہی جا رہا ہوں میرے اہل و عیال میرے ساتھ ہی ہوں گے مگر تم یہیں مدینہ میں رہو اور مجھ کو یہاں کے حالات کی خبر دیتے رہو یہ فرما کر امام نے وصیت نامہ لکھا اور جناب محمد حنفیہ کے سپرد کیا اب خاندان کی عورتوں کو خبر ہوئی کہ حسین جا رہے ہیں تمام عورتوں نے آکر گھیر لیا اور رونا شروع کیا امام حسینؑ نے سب کو تسلی دی۔ دلاسہ دیا۔ اور تلقین صبر فرمائی۔ سب نے عرض کی کہ آقا کیونکر صبر کریں آپ ہم کو چھوڑ رہے ہیں تو ہم سمجھ رہے ہیں کہ آج رسول اللہ نے انتقال کیا سیدہ نے رحلت کی۔ آج ہی علیؑ نے شہادت پائی اور آج ہی حسنؑ شہید ہوئے ہم کو صبر نہ آئے گا۔ اور نہ آئے گا۔ اب آپ کی پھوپھی آگے بڑھیں اور عرض کی نور نظر ہم بنی ہاشم میں قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آنے

والی ہوتی ہے تو جنوں کے رونے کی آواز آتی ہے بیٹا میں سن رہی ہوں کہ تین دن سے کوئی نوحہ پڑھ رہا ہے۔ کہ حسین پہ نوحہ پڑھو قریب ہے۔ کہ حسین کے قتل سے دنیا میں زلزلہ آجائے چاند گہن میں آجائے اور دنیا پر تاریکی چھا جائے۔

اس کے بعد جناب ام سلمہ آگے بڑھیں ضعیفی کا عالم سر کے بال سفید بعد خدیجہ سیدہ کو پالا اور بعد سیدہ حسین کی پرورش کی اب یہ سن کر آئی ہیں کہ میرا بچہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا ہو رہا ہے۔ نور نظر تم ہم کو سمجھاتے ہو کہ ہم ہرگز یہ نہ کریں۔ ماتم نہ کریں حالانکہ میں نے سنا ہے کہ تم عراق جا رہے ہو حسین مجھ سے تمہارے نانا بتلا چکے ہیں کہ میرا حسین اس سرزمین پہ قتل ہو گا جس کا نام کربلا ہے۔ یہ سن کر امام نے عرض کی کہ جدہ ماجدہ کیا آپ یہ جانتی ہیں کہ مجھ کو معلوم نہیں میں خوب جانتا ہوں کہ کس مقام پہ قتل ہوں گا۔ کون کون میرے ساتھ شہید ہو گا۔ کون مجھ کو قتل کرے گا مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں کس زمین میں دفن ہونگا۔ نانی کیا آپ وہ زمین دیکھیں گی جہاں میں دفن ہوں گا۔ ام سلمہ نے جواب دیا کہ ہاں حسین میں نے اس زمین کے بڑے فضائل سنے ہیں میں اس کی زیارت کی مشتاق ہوں یہ سن کر امام نے زمین کربلا کی طرف اشارہ کیا تمام تختے پست ہوئے اور کربلا کا تختہ بلند ہوا۔ امام نے فرمایا کہ نانی دیکھئے وہ خیمہ گاہ ہے اور یہ وہ میدان ہے جہاں میرے دوست قتل ہوں گے یہ وہ جگہ ہے جہاں عباس کے ہاتھ قلم ہوں گے یہ وہ مقام ہے جہاں علی اکبر سینہ پر برچھی کا پھل کھائیں گے اور یہ وہ نشیب ہے جہاں میں شہید

ہوں گا۔ یہ فرما کر امام نے اپنا دستِ مبارک بڑھایا اور ایک مشت خاک بڑھا کر جناب ام سلمہ کو دی اور فرمایا کہ نانی ایک شیشہ میں تو وہ خاک ہے جو آپ کو رسول نے دی تھی اور ایک شیشہ میں یہ خاک رکھ لیجئے جب تک یہ خاک رہے سمجھئے گا میں زندہ ہوں اور جب خون ہو جائے تو سمجھ لیجئے گا کہ میں شہید ہو گیا ہوں۔ اُم سلمہ نے وہ خاک لے کر شیشہ میں رکھی امام نے سفر فرمایا۔ ہر روز اس شیشہ پر نظر کرتی تھیں ہمیشہ شیشہ میں خاک ہی نظر آتی تھی یہاں تک کہ محرم کی ابتدا ہوئی اور نو دن گزر کر صبح عاشورہ نمودار ہوئی ام سلمہؓ نے شیشہ کو دیکھا تو خاک تھی۔ ظہر کے وقت نظر کی تو خاک تھی اب آنکھ لگ گئی خواب میں رسول اللہ کو دیکھا برہنہ سر تشریف لائے ہیں آنکھوں میں آنسو، سر مبارک پر خاک پڑی ہوئی ام سلمہ نے عرض کی اے خدا کے رسول یہ آپ کی کیا حالت ہے فرمایا ام سلمہ کیا پوچھتی ہو کربلا سے آ رہا ہوں میرا بچہ حسین قتل کر دیا گیا۔ ام سلمہ گھبرا کر اٹھیں۔ آئیں اس طاق کی طرف جہاں وہ شیشے رکھے تھے دیکھا تو دونوں شیشوں میں خون تازہ جوش مار رہا ہے۔ سمجھ گئیں کہ میرا بچہ قتل ہو گیا چیخیں مار کر رونا شروع کیا ہائے میرے بچہ کو ظالموں نے مار ڈالا ہائے حسین کو قتل کر دیا۔

مجلس سوم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْ
سَلِیْنَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَشَفِیْعِنَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ
الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَتَبَارَکَ فِیْ
کِتَابِہِ الْمُبِیْنِ وَھُوَ اَصْدَقُ الْقَائِلِیْنَ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ط
وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْکِتٰبِ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَکْثَرُ
ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ہ (پارہ ۴ سورہ آل عمران ع۱۲ آیت ۱۰۹)

تم کیا اچھی امت اور کتنے بہترین لوگ ہو جو انسانوں کی ہدایت کیواسطے پیدا کئے گئے اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو بری باتوں سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو اور اگر کتاب والے بھی ایمان لے آتے تو ان کے واسطے بہت اچھا تھا مگر ان میں کچھ تو ایماندار ہیں اور بہت نافرمان فاسق و فاجر ہیں۔

مومنین و صالحین سے محبت کرنے والا شان عدل و انصاف کیساتھ

بدکاروں کی مذمت اور نیک بندوں کے حسن عمل کی مدح کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ تم کیا اچھی امت ہو جو اسی لئے پیدا کئے گئے کہ انسانوں کو نیک راہ پر لگاؤ اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو بری باتوں سے روکتے ہو خدا پر تمہارا ایمان ہے خدا کا کسی غرض کے واسطے کسی چیز کو پیدا کرنا اور چیز ہے اور مخلوق کا اس غرض کو پورا کرنا اور چیز ہے۔ آپ دیکھیں کہ کسی چیز کی خلقت میں پیدا کرنے والے کی مشیت بری نہ تھی آپ اپنی تنگ نگاہی سے کسی چیز کو بدتر سمجھیں مگر جس نے پیدا کیا تھا اسی نے کسی نہ کسی اچھی غرض ہی سے پیدا کیا تھا اصل عالم مادیت کے ابتدائی ذرات جن کو عربی میں سالماتؔ اور انگریزی میں ایٹم کہا جاتا ہے جن کی قوتوں اور منفعتوں اور دوام وبقا کو دیکھ کر کوئی اتنا بہکا کہ اس نے خود انہی ذرات کو قدیم ازلی۔ ابدی مبدء تمام مخلوقات کہہ کر ان کے پیدا کرنے والے اور خالق ہی سے انکار کر دیا۔ اور کسی نے خالق کا تو اقرار کیا مگر ان سالمات کی قوتوں سے اتنا مرعوب ہوا کہ اس نے مادہ کی انتظامی قوت کو دنیا کا خالق و معبود سمجھ لیا مگر آج کل کے عالی دماغ انسانوں نے اس ایٹمی طاقت کو اپنے قابو میں لاکر یہ بھی دکھا دیا کہ یہ خالق و مالک نہیں کیونکہ ہمارے قبضے میں آگئی اور اب دنیا کو تباہ کر دینے کا آلہ بھی ہے اب آپ ہی فرمائیں کہ وہ چیز کتنی قابل نفرت اور ملامت ہے جو چشم زدن میں لاکھوں آبادیاں ویران کر دے۔ لاکھوں بچوں بوڑھوں۔ مردوں۔ عورتوں۔ ظالموں۔ مظلوموں حیوان انسان ہلاک کر کے بستیاں ویران اور سرسبز و شاداب باغ۔ کھیت اور زراعتیں خاک سیاہ

کردے آپ ہی بتایئے ہے قابل لعنت یا نہیں؟ اب سوال کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی بدترین چیز کیوں پیدا کی کس لئے خلق کی! لیکن اگر یہ مادہ یہ ایٹم۔ یہ سالمات نہ ہوتے تو یہ دنیا کیونکر بنتی۔ یہ عالم کیونکر نظر آتا آپکا وجود کہاں سے ہوتا۔ یہ کل عالم ہست و بود کیونکر جلوہ فرما ہوتا؟ خالق نے تو اپنی ذات قدرت کاملہ سے مادہ کو اس لئے پیدا کیا تھا کہ اس سے دنیا کو بنائے عالم کو خلق کرے اب یہ آپ کی بدفعلی تھی کہ آپنے فائدہ کو مضرت حسن کو قبح۔ اچھائی کو برائی سے بدل دیا اور پھر نازاں کہ ہمارا کمال یہ ہے کہ اگر چاہیں تو وہ ظلم کرکے دکھادیں جو عالم میں کسی نے نہ کیا ہو۔ یونہی اس نے جاندار بے جان۔ ارضی فلکی۔ محسوس غیر محسوس ظاہری باطنی بہرحال جو چیز پیدا کی وہ کسی غرض سے پیدا کی۔ کسی مصلحت سے پیدا کی اور وہ مصلحت بہتر سے بہتر تھی مگر ہاں فرق یہ ہو گیا کہ جو بے جان تھے یا جاندار تھے مگر صاحب عقل و فہم نہ تھے وہ تو اسی غرض کی تکمیل کرتے رہے جس کے لئے پیدا کئے گئے تھے زماں اپنی گردش سے رنگ عالم بدلتی رہی۔ فصلوں کا تغیر۔ نباتات کی شادابی۔ دن و رات کی آمد و رفت۔ شب روز کا بڑھنا گھٹنا جسطرح ہونا چاہئے تھا ہوتا رہا۔ شمس و قمر۔ ثوابت و سیارات۔ اپنی حرکت اپنی حدت رجعت و استقامت اپنے قرب و بعد سے جن اثرات کے واسطے بنائے گئے تھے۔ یا وہ اثرات ظاہر کرتے ہی رہے آب و آتش۔ خاک و باد و دشت و جبل۔ بحر و بر۔ جن فائدوں کے لئے خلق کئے گئے تھے وہ فائدے ابتدائے خلقت سے ظاہر ہوتے رہے اور آئندہ بھی ظاہر ہوتے

رہیں گے پھول پتی۔ برگ و ثمر، جڑیں اور شاخیں انسان و حیوان کی غذا، مکانات کی تعمیر، مطبخ کا ایندھن بہرحال جو منفعتیں ان میں خالق نے پوشیدہ کی تھیں انہی تمام منفعتوں کے کام آتی رہیں اور آتی رہیں گی جاندار وں میں ملک اپنے عقل و فہم کے ساتھ حیوان اپنی بے عقلی کے ساتھ صرف انہیں خدمتوں میں مصروف رہے جن خدمتوں کے واسطے ان کے پیدا کرنیوالے نے انہیں بنایا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان مخلوقات میں جس شئے پر نظر کی اس کی مدح و ستائش ہی کرتا رہا کبھی اس نے زمین و آسمان کی کارکردگی کی تعریف کی کبھی اس نے شمس و قمر کی گردشوں کی تعریف کی کبھی اس نے چلتی ہوئی ہوا کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا کبھی اس نے جانوروں کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد کیا۔ کل قد علم صلوته وتسبیحه ہر جانور جانتا ہے کہ اس کی نماز کیا ہے اور اس کی تسبیح کیا ہے۔ آخر میں مشیت مڑی ملائکہ کی طرف اور ارشاد ہوا کہ ملائکہ تو خدا کے بڑے عزت دار بندے ہیں — لا یسبقونه بالقول وھم بامرہ یعملون اتنے اطاعت گزار کہ لفظ میں بھی اس کے کلام سے آگے نہیں بڑھتے اور بس وہی کرتے ہیں جو خدا کا حکم ہے اگر آپ قرآن کو اول سے آخر تک غور سے دیکھیں گے تو قرآن کو ہر مخلوق کا ثناخواں اور مدح سرا پائیں گے ہاں البتہ جب نگاہ قدرت مڑتی ہے جن و انس کی طرف تو مدح کے ساتھ مذمت بھی ہے بلکہ مذمت زائد۔ اور مدح کم کیونکہ کافر زائد مسلم کم بدکار زیادہ نیکوکار کم فاسق زیادہ مومن کم لہٰذا مذمت زیادہ مدح کم غور کرنے کے قابل ہے کہ خدا نے زمین و آسمان

کی مذمت نہ کی۔ آب آتش کی مذمت نہ کی خاک و باد کی مذمت نہ کی۔ ملک اور حیوان کی مذمت نہ کی مگر جب انسان اور جمادات کی باری آئی تو انداز کلام بدلا اور مذمت میں مدح بس اتنی رہ گئی جیسے شب کی تاریکی میں دور دور پر روشن چراغ یا فلک کے نیلے دامن پر کہیں کہیں روشن ستارے یہ کلام انداز اس لیئے نہیں بدلا کہ یہ تھے ہی برے ان کو خالق نے پیدا ہی کیا [illegible] جس طرح سب اچھے اسی طرح جن و بشر بھی اچھے مگر مذمت اس لیئے ہوئی کہ ہر شے نے وہ غرض پوری کر دی جس کے لیئے وہ پیدا کی گئی تھی اور جن و بشر میں بہت زائد ایسے تھے جنہوں نے وہ غرض پوری نہ کی جس کے واسطے بنائے گئے تھے بڑے بڑے کام کیئے بہتر سے بہتر انتظام کیا بڑی سے بڑی دولت حاصل کی باغ لگائے چمن بنائے عالیشان عمارتیں بنائیں دنیا میں سب کچھ کیا مگر جب وہ کام نہ کیا جس کے واسطے پیدا کیئے گئے تھے تو ہزار لعنت اور اگر کچھ برائیاں بھی کیں مگر غرض خلقت پوری کر دی تو قابل مدح و ستائش۔ خدانخواستہ کسی شخص کا کوئی بچہ بیمار تھا اور حالت نازک آپ نے اپنے ملازم کو کچھ روپے دیئے کہ جا جلدی سے بازار سے دوا لے آ۔ اب یہ شخص بازار آیا دیکھا بڑا ہی نفیس زربفت کا تھان ایک صاحب ضرورت دو چار ہی روپیہ میں بیچے ڈالتا ہے اس نے جھٹ سے چار روپے نکالے تھان خریدا اور بغل میں دبایا آگے بڑھا دیکھا کہ ایک جاہل شخص نادانی میں ہیرے کو پتھر سمجھ کر سستے داموں بیچ رہا تھا اس نے وہ بھی خریدا آگے بڑھا ایک گھوڑا بہت عمدہ اور سستا بک رہا تھا وہ

بھی لیا بہت ہی خوش کہ آج تو سرکار انعام دے کر مالا مال کر دیں گے گھوڑے پر بیٹھا ہیرے کی انگوٹھی ہاتھ میں پہنی زربفت کا تھان کاندھے پر ڈالا سرپٹ گھوڑا چھوڑے گھر پر آیا مالک کے سامنے پہنچا۔ مالک خوش ہو گیا کہ بھئی بہت جلدی آ گیا۔ جی حضور کہیں پیدل آتا تو جلدی آ سکتا تھا گھوڑا لگ ٹٹ بھگایا جب تو حاضر ہوا۔ مریض کا دم لبوں پر تھا۔ کیوں پوچھا کہ گھوڑا کہاں سے ملا۔ لہٰذا مالک نے جواب دیا کہ اچھا دوا تو جلدی سے لاؤ۔ ملازم نے کاندھے سے زربفت کا تھان اتارا۔ اجی دیکھئے سرکار سو روپیہ کا تھان چار روپیہ میں لایا۔ اور یہ دیکھئے ہیرے کی انگوٹھی دس روپیہ میں خریدی اور یہ ملاحظہ ہو خاص عربی گھوڑا پچاس ہی روپیہ میں مار لایا۔ مالک نے پوچھا یہ سب کچھ تو ہو مگر دوا بھی لائے۔ نوکر نے آنکھیں نکالیں! جی روپیہ کہاں بچا سب تو ان چیزوں میں خرچ ہو گیا۔ اب آپ فرمایئے کہ مالک خوش ہو گا کہ گردن میں ہاتھ دے گا کہ ہم نے بھیجا دوا کیوا سطے لڑکا ہمارا مر رہا ہے تو گھوڑا خرید لایا۔ دور ہو یہاں سے۔ جا جہنم میں یہی حال ہمارا ہے اجی وہ تدبیر کی کہ لفٹیننٹ گورنر ہو گیا۔ وہ چال چلی کہ شاہی چھین لی یہ کیا وہ کیا اتنی بلندی حاصل کی کہ اب دنیا میں میں ہی میں ہوں مگر جب اللہ نے سوال کیا کہ میں نے تجھ کو عبادت کے واسطے بھیجا تھا تو بتا کہ عبادت کتنی کی، تو ہمارا جواب کہ بار الہا اتنی بڑی سلطنت کا بار سنبھال۔ دنیا بنائی دولت سمیٹی کیا کوئی معمولی کام تھا! اتنی مختصر سی عمر تو اسی میں کٹ گئی میں عبادت کس وقت کرتا یقیناً ارشاد رب العزت ہو گا کہ اچھا یہ بات ہے

تو تو بھی جہنم میں جا۔ اور تیرا ملک و مال بھی بھیجا تھا میں نے کاہے کے لیے اور کر کے آیا کیا۔ خدا کی لعنت تجھ پر اور تیرے نام و نمود پر اب یوں سمجھئے کہ کسی شخص نے اپنے ملازم سے کہا کہ دوڑ تو جا بازار اور یہ دوا تو لا۔ مگر دیکھ ذرا جلدی کرنا بچہ کی حالت نازک ہے۔ نوکر چلا۔ مالک نے کہا تھا سواری کر لے یہ پیدل ہی چلا راستہ میں کچھ دیر کو دم لینے کے لیے بیٹھ بھی گیا وہاں سے اٹھا تو مالک ہی کے پیسوں سے توس مکھن بھی کھائے اب خیال آیا کہ توبہ توبہ بڑی دیر ہو گئی۔ سرکار بہت خفا ہوں گے لہذا دوڑتا ہوا حکیم صاحب کے یہاں آیا حضور فلاں صاحب کا بچہ یوں بیمار ہے یہ حالت ہے فلاں دوا منگائی ہے۔ حضور بتائیں لے جاؤں یا نہیں؟ حکیم صاحب نے جواب دیا کہ ہاں دوا تو یہ اچھی ہے مگر اس میں ذرا سا جواہر مہرہ ملا کر لے جاؤ تو ابھی شفا ہے ملازم نے جلدی جلدی دوا خریدی جواہر مہرہ ملایا بھاگتا ہوا مالک کے پاس پہنچا۔ مالک کا یہ حال کہ آگ بگولا ہو رہا ہے کہ کم بخت نہ معلوم کہاں مر گیا مریض کی حالت بگڑ رہی ہے اور اسے گھنٹوں ہو گئے کہ پتہ ہی نہیں ملازم جو سامنے آیا برس پڑے اس نے عرض کی حضور پیدل جانا تھا یہ تھا وہ تھا مالک نے کہا ارے چھوڑ ان باتوں کو یہ بتا کہ دوا بھی لایا ملازم نے جیب سے دوا نکال کر دی۔ حضور لایا اور بڑے حکیم صاحب سے کہہ کر جواہر مہرہ بھی ملاتا لایا۔ مالک نے دوا لی بچہ کو پلانا تھی کہ دو منٹ میں اس نے آنکھیں کھول دیں اب کیا تھا نہ وہ مالک کا غصہ نہ ناز پرس کہ دیر ہوئی۔ کہاں کہاں گیا۔ کچھ نہیں ایک سے ایک تعریف کہ بھئی

کیا سمجھدار آدمی ہے مجھے تو خیال بھی نہ تھا کہ حکیم صاحب سے مشورہ تھا حکم دیتا۔ مگر صاحب اس نے بہت سمجھداری کی بچہ کی جان بچالی ہے یہ تو تیری تنخواہ اب کی پیشگی ہی لے لے اور یہ تیرا انعام بس یہی مثال ہم لوگوں کی دنیا میں آئے بدکاریاں کیں نافرمانیاں کیں دنیا کی الجھنوں میں پھنسے مگر نماز روزے کو نہیں بھولے الٹا سیدھا کچھ نہ کچھ کرتے رہے۔ اللہ کی بارگاہ میں پہنچے تو پچٹ دھکڑ باز پرس، یہ روزہ کیسا تھا۔ یہ نماز کیسی تھی فلاں جگہ کیوں گیا تھا۔ یہ کیوں کیا وہ کیوں کیا۔ ہزاروں سوال۔ ہزار جواب مگر جب ہم نے دل کے خزانہ سے محبت آل محمدؐ کا جواہر نکال کر اپنی ناقص عبادتوں میں ملا دیا تو مردہ اعمال میں جان پڑ گئی اور مشیت نے مسکرا کر کہا کہ میرے ملائکہ چھوڑ دو حساب و کتاب۔ دیکھو یہ لایا کیا ہے۔ لے جاؤ اسے جنت میں۔ حساب و کتاب کی معافی پیشگی تنخواہ اور جنت کی جاگیر انعام و اکرام۔ یعنی سب کچھ کیا مگر غرض خلقت پوری نہ کی تو مذمت ہی مذمت اور بدکاریاں بھی کیں مگر۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ پر عمل کیا تو ممکن ہے کہ مدح بھی ہو جائے تو معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اپنی خلقت کی غرض پوری کی وہ قابل مدح اور جن لوگوں نے عمدہ عمدہ اور بہتر سے بہتر کام کئے مگر جس غرض کے واسطے خدا نے پیدا کیا تھا وہ پوری نہ کی تو قابل مذمت اور غرض کیا تھی خود خالق نے قرآن میں فرمایا کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ہم نے جن و انس کو کسی اور غرض سے پیدا نہیں کیا بلکہ صرف عبادت کیواسطے پیدا کیا۔ ہمارے نافہم جاہل بول

اٹھتے ہیں کہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہم ہر وقت نماز روزہ ہی کرتے رہیں
کسی اور کام کی طرف توجہ ہی نہ کریں مگر ان باتوں کو سمجھنا چاہیئے کہ خدا کی معرفت
سب سے بڑی عبادت ہے جس کا دل معرفت الٰہی سے لبریز ہے وہ ہر
وقت ہر حالت میں عبادت میں ہے۔ رسولؐ اور آلِ رسولؐ سے محبت
بڑی سے بڑی عبادت ہے جس کے خانۂ دل میں شمع محبت روشن ہے
وہ سوتے جاگتے دن و رات ہر وقت عبادت میں مشغول ہے۔ خالق کی
اطاعت جان و روح عبادت ہے جو ہر کام میں چلتے ہیں۔ پھرتے ہیں،
بیٹھتے ہیں اٹھتے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ سنتے ہیں کھاتے ہیں پیتے ہیں خدا کی
اطاعت مدنظر رکھے اس کا ہر کام عبادت ہے اور ایسے ہی لوگ قابل مدح
ہیں اگر کسی نے نماز پڑھی آیت نے مدح کر دی کسی نے زکوٰۃ دی قرآن نے
تعریف کر دی کسی نے روزہ رکھا زبان قدرت نے ستائش کر دی کسی نے جہاد
کیا اللہ نے مدح کر دی ایک ایک کام کی تعریف کی ایک ایک کام کی مدح و
ثنا کی۔ ہاں فرق یہ ہے کہ بعض لوگ وہ کام کرتے ہیں جو صرف انکی ذات
کے واسطے ہوتے اور بعض لوگ وہ کام کرتے ہیں جو ان کے لئے بھی
مفید اور دوسروں کے لئے بھی مفید اور بعض لوگ اپنی تو فکر ہی نہیں کرتے
جو کرتے ہیں دوسروں کے واسطے اچھے اور دنیا والوں سے ہی پوچھئے کہ
سب سے زائد بلند سب سے زائد قابل مدح سب سے زیادہ متمدن اور مہذب کون
انسان ہے وہ جس کے کاموں کی غرض صرف اپنی ذات ہو یا وہ جو اوروں کے
واسطے کام کرے؟ ہر بار ہم کہدینگے کہ سب سے زائد متمدن۔ سب سے زائد

زائد قابل مدح و ستائش وہ ہے جو دوسروں کی خدمت کرے وہ بھی قابل مدح جس نے صرف اپنی زندگی کو بہتر بنا لیا مگر اس سے زائد وہ جس نے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی زندگی کو کامیاب بنا لیا۔ مگر اس سے بھی زائد وہ قابل تعریف جس نے اپنی پوری زندگی دوسروں کی خدمت میں گذاری اس سے بہتر تو کوئی ہے ہی نہیں اسی طرح نظر خالق میں بھی بہترین انسانوں کے درجوں میں ان کی منزلوں میں اور ان کے مرتبوں میں فرق ہے ایک انسان وہ ہے جس نے اپنی تمام عمر ایسے کاموں میں صرف کی جس کا فائدہ صرف ان کی ذات تک محدود رہا ہے قابل مدح یہ بھی مگر اس کی منزلت بہت بلند ہے جس نے خود بھی جنت مول لے لی اور اپنے اہل و عیال کو بھی مذہب کے صحیح راستوں پر چلایا مگر تمام دنیا کے عبادت گذاروں سے وہ بہتر و افضل جس نے خود عبادت کی اور یوں کی کہ ایک ایک فعل کی مدح میں آیتیں اتریں۔ ایمان اختیار کیا تو قرآن نے مدح کی تُؤمِنُونَ بِاللّٰہِ تم خدا پر ایمان لاتے ہو ہجرت کی تو آیت نے آواز دی ھَاجَرُوا۔ ان لوگوں نے ہجرت کی پھر جان و مال سے جہاد کیا تو آیت نے تعریف کی کہ وَ جَاھَدُوا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ ان لوگوں نے اپنی جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کیا یہ ان کے ذاتی افعال کی مدح تھی مگر جب یہ لوگ خدمت خلق کی طرف مائل ہوئے اب ان کی بلندی کی حد نہ رہی اور ارشاد رب العزت ہوا کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ تم ہر امت سے بہتر امت اور ہر امام سے بہتر امام ہو کہ انسان کی خدمت

اور اس کی ہدایت کے واسطے پیدا کئے گئے دنیا میں قدم رکھنے کے بعد
ہر وہ کام کیا کہ خود بھی جنت لے لی اور اپنے اہل وعیال کو بھی جنت کا
مستحق بنا دیا اس کے ساتھ ساتھ اغیار کو صراط مستقیم پر گامزن کر دیا
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اچھی باتوں کا حکم کرتے
ہو بری باتوں سے روکتے ہو۔ آپ ہی فرمائیں کہ کوئی نماز نہیں پڑھتا تو
ہمارا کیا بگاڑتا ہے کوئی شراب پیتا ہے تو ہمیں کیا ضرر پہنچاتا ہے۔ کوئی
بت پرستی کرے تو امام کا کیا ضرر اور کوئی خدا کو مانے تو امام کو کیا
فائدہ ؟ مگر یہ ان حضرات کی انسانیت کاملہ تھی کہ اپنے اور اپنے اہل وعیال
کی آخرت بن جانے کے باوجود بھی بے چین تھے کہ دوسروں کی بھی آخرت
بن جائے یہ بھی جہنم میں نہ جائیں جنت میں جائیں ہر وقت یہی فکر اور یہی تدبیر
کہ دوسروں کا فائدہ ہو ہاں اب اس فائدہ رسانی کی صورتیں مختلف تھیں
زبان سے ہدایت۔ فعل سے ہدایت۔ حسنِ اخلاق سے ہدایت تکلیفیں اٹھا
کر ہدایت۔ جن کو راستہ دکھانا چاہتے ہیں انہی کے ہاتھ سے زحمتیں اٹھا
کر ہدایت۔ قلم سے ہدایت۔ تلوار سے ہدایت قتل کر کے ہدایت۔ قتل
ہو کے ہدایت۔ جہاد کر کے ہدایت۔ شہید ہو کے ہدایت۔ جو آیت میرا
سرنامہ کلام ہے اس کی تفسیر کرتے ہوئے بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے
کہ جس طرح اس امت میں کچھ مومن تھے اسی طرح پچھلی امتوں میں بھی کچھ
لوگ مومن تھے جس طرح اس امت میں کچھ نیک بندے ایسے ہیں جو اچھی
باتوں کا حکم کرتے ہیں بری باتوں سے روکتے ہیں اسی طرح پہلی امتوں میں بھی

کچھ لوگ ایسے ضرور تھے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس امت کو قرآن نے سب سے
بہتر امت کہہ دیا۔ مفسرین نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ بے شک سب
امتوں میں کچھ لوگ ایسے ضرور تھے مگر جس طرح کا مل اس امت نے کی اس
طرح کسی امت نے نہ کی کیونکہ جہاد سب سے زائد قوی ذریعہ ہے ہدایت کے
لئے اس لئے بھی کہ جہاد کا اثر دشمن پر زائد سے زائد پڑتا ہے اور خود
مسلمان کے لئے بھی جہاد سخت ترین ذریعہ ہدایت ہے۔ جس میں مسلمان
زخمی بھی ہوتا ہے قتل بھی ہوتا ہے۔ یہ جہاد، اسلامی جہاد کی شان
سے اور امتوں میں موجود نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان بہترین امت کہے گئے
میں نہیں مانتا کہ تفسیر کرنے والوں کا یہ جواب درست ہے کیونکہ ہمارے
رسولؐ نے ہرگز ہرگز تلوار کے زور سے اسلام نہیں پھیلایا۔ بلکہ جب آپ
کو کافروں نے جہاد کرنے پر مجبور کر دیا اس وقت آپ نے جہاد کیا۔ بعض
جہاد آپ کے دفاعی صورت میں تھے اور بعض انتقام اور عوض کی
صورت میں بعض جہاد ابتدائی بھی تھے مگر اس وقت جب یہ معلوم
ہو گیا تھا کہ مشرکین حملہ کی تیاری میں ہیں اور اگر مزید سکوت کیا گیا تو
دشمن اپنی قوت اور جمع کرے گا لہذا عین عقل یہ ہے کہ ان کی تدبیر دل
کو مکمل ہونے سے پہلے ہی فنا کر دیا جائے لیکن اس میں شک نہیں کہ
جہاد جس طرح سے بھی ہوا ہو۔ مگر جہاد سے وہ زبردست فائدے
حاصل ہوئے جو دوسری صورت سے حاصل ہونا ناممکن تھے مگر یہ صرف
انہی جہادوں کی خصوصیت تھی۔ جو رسولؐ کے زمانہ میں ہوئے۔ علاوہ

کے دور میں ہوئے اور یا پھر چند گھنٹے۔ امام حسین کا جہاد جو کربلا کی پر ہول وادی میں شدت کی دھوپ تپتی ہوئی زمین جگر سوز عطش مجیر العقول انداز میں کیا گیا۔ دنیا کی زبان تو کربلا کی جنگ کو جہاد ہی کہا کرتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام حسین کی جنگ ہرگز وہ شان نہ رکھتی تھی جس کو حقیقی جہاد کہا جائے۔ بلکہ دفاع تھا اور مکمل دفاع کیا جہاد کی یہی شان ہوتی ہے کہ نہ آلات حرب جمع کئے جائیں نہ لشکر جمع کیا جائے نہ فوج طلب کی جائے بلکہ جو لوگ راستوں سے منزلوں سے شہروں سے ساتھ ہو جائیں ان کو بھی سمجھا بجھا کر اپنے سفر کی غرض بتا بتا کر الگ کر دیا جائے کسی فوج کے سردار نے ہرگز یہ نہ کیا ہوگا کہ بری خبریں ہمت شکن خبریں تمام لشکر پر ظاہر کر دے مگر یہ حضرت حسین ابن علی کا طرز عمل تھا کہ ابھی راہ کو طے ہی میں ہیں کہ قاصد مسلمؑ کی شہادت کی خبر لاتا ہے قاصد عرض بھی کرتا ہے کہ فرزند رسولؐ ذرا الگ چلئے تو بیان کر دوں مگر امام فرماتے ہیں کہ ان سب کے سامنے ہی کہو ان سے کوئی پردہ نہیں۔ اس طرح کوفے والوں کی بیوفائی غداری کا قصہ جناب مسلم کی عبرت انگیز شہادت اور آپ کی لاش کی بیحرمتی یہ سب باتیں لشکر کے سامنے آجاتی ہیں۔ کسی سردار فوج نے یہ کبھی نہیں کیا کہ دشمن کے لشکر کو پیاس سے جاں بلب دیکھ کر پانی کے دریا بہا دیئے ہوں اور سب کو سیراب کر دیا ہو۔ مگر یہ حسین ابن علیؑ ہی کا طرز عمل تھا کہ جب حر کے لشکر کو پیاسا دیکھا تو اپنے لشکر کا تمام پانی۔ انسان کیسے جانوروں تک کو پلا دیا۔ مگر اس کی جزا۔ اسی لشکر حر نے یہ دی کہ جب

امام حسینؑ لے کر بلا کی زمین پر پہنچ کر نہر کے کنارہ پر اترنا چاہا تو لشکر نے بڑھ کر روک دیا کہ ابن زیاد کا خط آیا ہے کہ حسینؑ کو بے آب و گیاہ زمین پہ اتارو۔ یقیناً حسینؑ کے باوفا اصحاب کے تیور بدل گئے ہوں گے بنی ہاشم کو غصہ آیا ہوگا۔ شاید عباسؑ ابن علیؑ نے تلوار کے قبضے پہ ہاتھ ڈالا ہو کہ یہ احسان فراموشی! ہم نے تم کو پانی پلا کر موت سے بچایا اور تم ہم کو نہر کے کنارہ پر اترنے بھی نہیں دیتے۔

عزاداران حسینؑ محرم سالہ کی دوسری تاریخ تھی پنجشنبہ کا دن تھا جب مسافران غربت کا قافلہ انتہائی مصیبت و تکلیف اور رنج والم کیساتھ کربلا کی زمین پر پہنچا اور حر کے لشکر نے راستہ روکا کہ اب آگے بڑھنے کا حکم نہیں ابن زیاد کا خط آیا ہے کہ جہاں تم کو میرا خط ملے بس اسی مقام پر حسین کو روک لینا ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دینا بھلا مجال تھی لشکر حر کی کہ حسین کو روک لیتا واللہ یہ رک رہے تھے اور اصحاب حسین زبردستی لشکر کو ہٹا ہٹا کر راستہ بنا رہے تھے مگر کرتے کیا وہ زمین ہی آگئی جس نے حسینؑ کے گھوڑے کے قدم روک لئے ایک گھوڑا بدلا مگر ایک قدم بھی نہ بڑھا، دوسرا بدلا تیسرا بدلا یہاں تک کہ سات گھوڑے بدلے مگر کسی نے قدم آگے نہ بڑھایا اس وقت امام حسینؑ نے دریافت فرمایا کہ اے میرے قافلہ والو! ذرا بتاؤ تو اس زمین کا نام کیا ہے؟ کسی نے جواب دیا کہ مولا اس کو غاضریہ کہتے ہیں فرمایا کوئی اور نام ہے؟ کسی نے کہا کہ اسے شطِ فرات کہتے ہیں۔ ارشاد فرمایا اور کوئی نام ہے؟ کسی نے کہا اس کو نینوا بھی کہتے ہیں

اب حسینؑ ان جماّلوں کی طرف مڑے جن کے اونٹ کرایہ پر تھے اور فرمایا کہ تم بتاؤ اس زمین کا کوئی اور نام بھی ہے؟ میں کہتا ہوں کہ بتانیوالا کہدے کہ مولا اب اور کوئی نام نہیں مگر افسوس! ایک جمال کہہ اٹھا کہ فرزند رسولؐ اس زمین کو کربلا بھی کہتے ہیں بس یہ سننا تھا کہ امام کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے قدم رکاب سے نکالا اور ارشاد فرمایا وقفوا ولا ترحلوا۔ بس تم جاؤ آگے نہ بڑھنا یہی ہماری منزل مقصود ہے یہیں ہمارے خیمے لگیں گے یہیں ہم ذبح کئے جائیں گے یہیں ہمارا اسباب اور یہیں ہمارے اہل حرم اسیر ہوں گے عزاداران حسین کیا امام نہ جانتے تھے۔ مگر دوسروں کی زبان تصدیق کرانا چاہتے تھے کہ جو زمین میری وعدہ گاہ ہے وہ یہی ہے امام کے حکم کی دیر تھی کہ قافلہ کا بہادر ساتھ سراپردے لگے خیمے قائم کئے گئے اہل حرم عزت واحترام سے خیموں میں اترنے لگے۔ قافلہ کی ہری ہوئی عورتیں سہمے ہوئے بچے ڈرتے ڈرتے تپتی زمین پر بیٹھ گئے ہیں ان بے کس اہل حرم اور کم سن بچوں کے دل کی حالت کیا بیان کرسکتا ہوں جو دیکھ رہے ہوں کہ ہمارے مددگار کم اور دشمن بہت۔ جنگل بے آب وگیاہ۔ نہر کا کنارہ دور مسافرت میں دشمن نے گھیر لیا اور ہمارے سید و آقا ٹھنڈی سانسیں بھر بھر کر اپنی شہادت کی خبر کے ساتھ ساتھ ہمارے قید ہونے کی پیشین گوئی فرما رہے ہیں تمام اہل حرم تو محملوں سے اتر کر دم بخود خیموں میں بیٹھ گئے لیکن زہرا ثانی۔ زینب کبریٰ نے جیسے ہی زمین کربلا پر قدم رکھا۔ ایک زرد غبار اٹھا اور شہزادی کے طیب وطاہر گیسو گرد آلود ہوگئے۔

گھبرا کر فضہ کو آواز دی کہ ذرا میرے بھائی کو بلاؤ فضہ نے امام حسینؑ سے
عرض کی کہ مولا شہزادی یاد کرتی ہیں۔ امام سر جھکائے خیمہ میں داخل
ہوئے دیکھا بہن کی آنکھوں میں آنسو چہرہ غبار آلود۔ ارشاد فرماتے ہیں
بہن کیوں یہ تمہارا کیا حال ہے؟ شہزادی نے عرض کی بھیا میں نے جیسے ہی
اس زمین پر قدم رکھا ایک زرد غبار اٹھا اور میرے سر پر پڑ گیا مولا یہ بد
شگونی اچھی نہیں ہے میرے ساتھ رسولؐ کی امانتیں ہیں چھوٹے چھوٹے
بچے ہیں اس زمین پر نہ رہوں گی کہیں اور چلئے۔ امام نے زینب کو تسلی دی
بہن صبر کرو میں اور کہاں جاؤں جب سے یہ زمین پیدا ہوئی تو میرے
لئے اور میں پیدا ہوا اس زمین کے لئے۔ بہن اس زمین کے بہت فضائل
ہیں بڑے مرتبے ہیں بہرحال حسین نے سمجھا بجھا کر زینب کے بہتے آنسوؤں کے
اور خود باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ یہ زمین کس کی ہے لوگوں نے
جواب دیا یہ کل زمین بنی اسد کی ہے حکم دیا کہ بنی اسد کو بلاؤ بنی اسد
حاضر ہوئے امام نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو یہ زمین پسند ہے لہذا ہمارے
ہاتھ بیچ ڈالو بنی اسد نے عرض کی مولا ہم بھی خادم ہیں اور یہ زمین بھی
حضور ہی کی ہے مگر مولا ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جو نبی یا وصی
نبی اس زمین پر آیا وہ کسی نہ کسی بلا میں ضرور مبتلا ہوا مولا آپ یہاں قیام
نہ فرمائیے حضرت نے ارشاد فرمایا ہاں تم سچ کہتے ہو مگر یہ زمین تو میرے
واسطے پیدا کی گئی ہے اور اس زمین کے واسطے پیدا ہوا ہوں بہرحال
حضرت نے وہ زمین ساٹھ ہزار درہم کی خرید لی اور خریدنے کے بعد

بنی اسد کو یہ بھی کر دی مگر تین شرطوں کے ساتھ پہلے یہ کہ جب لوگ ہم کو قتل کر کے چلے جائیں کہ تم دفن کر دینا دوسری شرط یہ ہے کہ ہماری قبروں کے نشان مٹنے نہ دینا تیسرے یہ کہ ہمارا کوئی زائر آ جائے تو اس کو تین دن مہمان رکھنا اور ہماری قبروں کے نشان بنا دینا۔ عزاداران حسین سن لیا آپ نے کہ حسین نے اپنے دفن کے لئے کتنا اہتمام کیا۔ مگر اس تمام انتظام کے بعد بھی میت بے گور و کفن پڑی رہی۔ آخر تیسرے دن بنی اسد کی کچھ عورتیں فرات پہ پانی بھرنے آئیں لاشوں پہ نگاہ پڑی پانی بھرنا بھول گئیں۔ گھبرا کر اپنے مردوں کے پاس آئیں کہنے لگیں کہ یہی دوستی اہل بیت کا دعویٰ ہے کہ تم آرام سے گھر میں بیٹھے رہو اور فرزند رسولؐ اور ان کے اصحابؓ کے لاشے تپتی زمین پر بے گور و کفن پڑے رہیں۔ اسی وقت بنی اسد آئے اور لاشوں کو دفن کیا جبھی تو زیارت ناحیہ میں امام فرماتے ہیں۔ اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنْ تَوَلّٰی دَفْنَهُ اَهْلُ الْقُرٰی

سلام ہو اس پہ جس کو چند اہل قریہ نے رحم کھا کر دفن کیا۔

مجلس چہارم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَشَفِیْعِنَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ
الطَّاہِرِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَتَبَارَکَ فِیْ کِتَابِہٖ
الْمُبِیْنِ وَھُوَ اَصْدَقُ الْقَائِلِیْنَ۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰہِ وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْکِتٰبِ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ
اَکْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (پارہ ۴ سورہ آل عمران) ع۲ آیت ۱۰۹

سرمایۂ شریعت محمدی، اعجاز رسول عربی، وہ قرآن مجید جو کلام الٰہی ایک خاص گروہ کی طرف نظر رحمت فرما کر اپنی زبان بے نیازی سے مدح و ستائش کرتے ہوئے ارشاد کرتا ہے تم اچھی امت ہو جو اسی واسطے پیدا کئے گئے کہ گمراہوں کو اچھی باتوں کا حکم کرو، بری باتوں سے روکو خدا کے ساتھ ایمان اختیار کرو۔ یہ کہنا کہ تم ہارا کہ جس واسطے تم پیدا کئے گئے وہی کام کر رہے ہو نیکی کا حکم کرتے ہو برائی سے روکتے ہو جو حقیقت

ایمان ہے اسی صورت سے خدا پر ایمان لائے ہو۔ کاش یہ اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے واسطے بہتر تھا۔ ہاں ان میں بعض تو مومن ضرور ہیں مگر اکثر بڑے فاسق و بدکار ہیں۔

قرآن پاک کے متعلق بدگمانوں کا خیال تھا اور اب بھی بہت سے بیدین اسی گمراہی میں مبتلا ہیں کہ قرآن کلام خدا نہیں بلکہ کلام رسولؐ ہے اور خدا گواہ اگر یہ کلام رسول ہی ہوتا تو بھی کوئی عیب نہ تھا جو رسول ہی کا کلام ہونے کے بعد رسولؐ کی رسالت کا ثبوت اور آپ کے انسان کامل ہونے بلکہ کمال انسانیت سے بھی بدرجہا زائد بلند ہونے کی دلیل تھا...... بڑے بڑے مصنف بڑے بڑے مؤلف بڑے بڑے عالم اور فلسفی ابتدا خلقت عالم سے اس وقت تک پیدا ہوئے اور ہوں گے مگر جس نے بھی تصنیف و تالیف کی منزل میں قدم رکھا اس کے کلام میں فصاحت ہے تو بلاغت نہیں بلاغت ہے تو فصاحت نہیں یہ دونوں بھی ہیں تو حسن بیان نہیں مضامین اچھے ہیں تو عبارت مہمل عبارت بہترین ہے تو مطالب خبط مجاز ہے تو حقیقت نہیں حقیقت ہے تو استعارات غائب۔ تشبیہ ہے تو تمثیل غلط۔ یہ سب بھی ہیں تو سیاست نہیں سیاست ہے تو اخلاق نہیں منطق ہے تو حکمت نہیں حاضر کا علم تو غائب لاپتہ۔ حساب ہے تو ہندسہ نہیں ہیئت ہے تو ریاضی نہیں۔ دنیا ہے تو آخرت نہیں آخرت ہے تو دنیا نہیں۔ یہ سب ہی کچھ ہے تو عیوب سے خالی نہیں ہر منزل پر ٹھوکر ہر راہ میں کجی اور یہ بھی نہ ہو تو بے مثل نہیں بے نظیر نہیں لاجواب نہیں

سلف سے لے کر اب تک اور اب سے قیامت تک کوئی ایک مصنف کوئی ایک مؤلف ایسا نہیں مل سکتا جس کی تصنیف یا تالیف تمام اصناف علم، تمام اقسام حکمت اور تمام اجزائے علم کی جامع ہو تو آپ ہی فرمائیے کہ وہ مصنف کیسا تھا جس نے قرآن سی کتاب یوں تصنیف کر دی کہ اس میں ہر علم موجود ہر صنف موجود ہر نوع موجود۔ ہر جزو حکمت موجود گذشتہ آئندہ۔ حاضر۔ غائب۔ گزرنے والا۔ آنے والا۔ فطرت انسانی فطرت حیوانی طبیعت جمادی طبیعت نباتاتی مختصر یہ کہ دنیا کی ہر چیز موجود پھر غلطی نہیں لغزش نہیں دھوکا نہیں اس کی فصاحت کی نظیر نہیں اس کی بلاغت کا جواب نہیں بدیع کا بانی۔ تمام اصناف کلام کا جامع کچھ ظاہر میں کچھ باطن میں کچھ تفسیر میں کچھ تاویل میں کچھ جاہلوں کے لئے کچھ عالموں کے واسطے اور پھر اتنا بے نظیر ایسا لاجواب کہ معاذ اللہ اگر خدا کا کلام نہ بھی کہئے تب بھی رسول کا معجزہ ماننا پڑے گا اور یہ بتانے کو تیار کہ پورے قرآن میں جس نے کہیں غلطی نہ کی وہ یقیناً معصوم تھا جس کے کسی کلام میں کذب نہیں وہ یقیناً سچا تھا جس نے ہر علم۔ ہر فن۔ ہر حکمت۔ ہر چیز بیان کر دی اور پھر نہ کوئی کتاب دیکھی نہ کسی سے پڑھا نہ کسی کے درس میں بیٹھا۔ یقیناً اس کا پڑھانے والا اس کا سکھانے والا اس کو تعلیم دینے والا عالم الغیب تا در مطلق۔ اور حکیم حقیقی کے علاوہ کوئی نہ تھا لہذا اگر یہ واقعہ بھی ہوتا کہ معاذ اللہ قرآن کلام رسول ہوتا تو بھی معجزہ تھا۔ رسول کی نبوت اور رسالت کا ثبوت تھا اسلام کی حقیقت کی دلیل تھا۔

بہر حال اسی کلام الٰہی قرآن عظیم میں ارشاد ہوا ہے کنتم خیر امۃ تم کیا اچھے لوگ ہو۔ آیت نازل کرنے والا ہی جانے یا اسکا رسول کہ وہ کونسا بلند مرتبہ گروہ تھا کون سے بہترین انسان تھے جنکی تعریف لسان قدرت پر آئی ان کے حسن کی تعریف نہیں ان کے انداز خلقت کی مدح و ثنا نہیں اگر ان چیزوں کی تعریف قرآن کرتا تو یہ اس گروہ کی تعریف نہ ہوتی بلکہ اس خالق کی تعریف ہوتی جس نے حسن دیا۔ جس نے خاص انداز خلقت رکھا جس نے اعضاء جوارح میں تناسب برقرار رکھا اس کے برخلاف قرآن نے ان کے افعال کی تعریف کی جو ان کے اختیاری تھے اپنے ارادہ اور اپنی پسند سے جو کچھ کر رہے تھے۔ اسی کی تعریف خالق کر رہا تھا کہ کیا اچھے بندہ ہو تمام امت میں سب سے زائد بہتر ہو۔ تھا یہ گروہ اور حسن صورت میں بھی بے نظیر مگر لسان قدرت یہ نہیں کہتی کہ تمہاری آنکھیں کتنی اچھی ہیں۔ بلکہ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ تمہاری سمجھ بوجھ کس قدر عمدہ ہے یہ نہیں ارشاد ہوتا کہ تمہاری زبان کتنی خوبصورت ہے بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ تمہاری زبان سے نکلے ہوئے ہدایت کے موتی قابل مدح ہیں۔ یہ وہ تعریف تھی جو اللہ کی طرف پلٹتی نہیں۔ بلکہ ان بندوں ہی کی تعریف رہتی ہے دل چاہتا ہے کہ اس مقام پر ایک اور بات عرض کرتا چلوں اور وہ یہ کہ وہ لوگ جو بے دین ہیں بہک کر کہہ اٹھے کہ اچھائی کا پیدا کرنیوالا ایک خدا ہے جس کا نام ہے اللہ اور یزدان اور برائی کا خالق دوسرا ہے جس کا نام ہے اہرمن اور شیطان۔ مگر یہ نظریہ ہر طرح غلط ہے

موجودات عالم میں ہر شے اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے جو واحد۔ احد۔ صمد ہے اور ہر حیثیت سے ایک۔ ان مخلوقات میں جتنی ہستیاں صاحب ادراک وارادہ ہیں وہ اپنے افعال کی خودمختار ہیں یہ ہستیاں کل کی کل اپنے افعال میں خیر و شر ہر چیز کی فاعل خود ہیں لیکن ان کے علاوہ جو کچھ پیدا ہوا ہے اس سب کا خالق بھی وہی ہے یعنی اللہ جتنی چیزیں اس نے پیدا کیں ان سب کی خلقت محض خیر کی بنا پر تھی کسی میں خالق کی مصلحت شر طلب نہ تھی بس کی کھلی ہوئی مثال ہے۔ آسمان سے برسنے والا پانی۔ کون انسان ہے جو اس کو برا کہہ سکے کوئی بھی ایسا نہیں ملے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص راہ میں تھا اور بارش سے بھیگ گیا اور اس کے کپڑے بھی خراب ہو گئے گھر پر آنے کے بعد اسے بخار بھی چڑھ آیا۔ اب فرمایئے یہ بارش خیر تھی یا شر؟ ضرر اٹھانے والا اپنی نافہمی سے شر کہے مگر اس کے کہہ دینے سے برستا ہوا بادل شر نہ ہو گا۔ بلکہ رحمت ہی رحمت رہے گا۔ بس یہی حال ہمارے رسولؐ کا ہے ارشاد رب العزت ہے۔ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین اے میرے حبیب تو تو تمام عالم کے واسطے رحمت ہے یہ تو ہماری رحمت ہی رحمت تھی کہ ہم نے تجھ کو ہدایت کیواسطے بھیجا یہ ابر نبوت ہدایتوں کی بارش۔ وعدۂ جنت کی ٹھنڈی ہواؤں وعید جہنم کی بجلیوں مجاہدین کے نعروں کی گونج اور علم حکمت کی چمک کے ساتھ دنیا پر چھایا۔ لبیک کہنے والے پھلے پھولے۔ سرسبز و شاداب ہوئے مگر انکار کرنے والے اپنے اختیار سے ڈوبے بہے۔ تباہ و برباد ہوئے۔ نبوت کے

بوجھ سے دب دب کر مرے۔ عذاب دنیا و آخرت کی بجلیوں سے جلے، پھنکے مگر پھر بھی سروں پر چھایا ہوا۔ ابر رسالت رحمت ہی رہا یہ ہلاک ہونے والوں کا فعل تھا کہ وہ طوفانی بارش میں کیوں نکلے سیلاب کے دھارے پر مکان کیوں بنایا۔ کمزور دیواریں۔ بودی چھتیں کیوں بنا کے بیٹھے؟ اگر شجرہ طیبہ کی طرح زمینِ ایمان میں اصول دین کی جڑیں مضبوط کر دی ہوتیں تو بمصداق فرعھا فی السماء شاخیں پھلتی ہی رہتیں اور بمصداق تؤتی اکلھا کل حین باذن ربہا پھل آتے ہی رہتے مگر جب شجر خبیثہ کا باغ بنا کر بیٹھے جس کی جڑیں کفر و نفاق کی سرزمین پر اوپر اوپر ہی تھیں۔ تو تعلیم نبوت کے تیز دھارے سے درخت اکھڑ کر گر گیا۔ باغ بنانے والوں کی غلط تخم ریزی تھی ابر نبوت پر الزام نہیں وہ ان تمام چیزوں کو تباہ و برباد کر دینے کے بعد بھی رحمت ہی رہا اور ندا سے قدرت آتی ہی رہی

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ

بہرحال عالم کی تمام چیزوں کا خالق صرف ایک ہی ہے مگر فرق یہ ہے کہ کسی چیز کی خلقت میں بہت سے پہلو نفع کے ہیں تو کچھ پہلو ضرر کے بھی ہیں جو ان کی غرض خلقت نہ تھی اس کے مقابل ہیں کچھ چیزیں وہ بھی ہیں جن کی خلقت خیر ہی خیر تھی شر کا پہلو تھا ہی نہیں یہی وہ لوگ تھے جن سے آیت کہہ رہی ہے کنتم خیر امۃ تمہاری تو خلقت ہی اس عالم میں کی گئی کہ تم خیر ہی تھے شر کا پہلو تھا ہی نہیں اور یہی وہ معنی ہیں جن کو بقول علامہ رازی بہت سے مفسرین نے تسلیم کر لیا لہٰذا جب یہ معنی

ہوئے تو اب رازی کہہ دیں کہ مصداق آیت کون لوگ تھے؟ کیا وہ مخلوق جو آگ سے پیدا ہوئی؟ تو شر انگیزی شعلہ فشاں ہو کر پکارے گی کہ میری خلقت صرف خیر سے نہیں خیر و شر میری ذات میں دونوں تھے شر تو میرے افعال کے ہاتھوں، باقی رہ گیا اور خیر میری گرم بازاری سے دھواں بن کر اڑ گیا اچھا تو اب ان کو مصداق آیت بنا دیجئے۔ جو مٹی سے بنے تو ان کی فطرت پکارے گی کہ خیر تو مجھ میں بہت کچھ ہے۔ مگر میری تاریکی۔ میری ظلمت۔ میری پستی وہ اجزا ہیں جس نے مجھ کو خیر محض نہ رکھا۔ مجھ تو معذور نہیں، ہو ہی جاتی ہیں تو اب ماننا پڑے گا کہ خیر محض بس وہی مخلوق جس کی خلقت کا خمیر خیر ہی خیر اور خیر محض نور کے علاوہ کچھ اور نہیں اور نور بھی کوئی اور نہیں بلکہ خالق کا نور جس کو قرآن نے کبھی یوں ظاہر کیا کہ مثل نورہ کمشکٰوۃ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے مشکوٰۃ اور کبھی یوں فرمایا کہ اللہ نور السمٰوٰت والارض اللہ ہی آسمان و زمین کا نور ہے تو جو لوگ نار سے پیدا ہوئے وہ مصداق آیت نہیں جو لوگ مٹی سے پیدا ہوئے وہ مصداق آیت نہیں۔ اگر مراد ہیں تو صرف وہ جن کا ظاہری لباس کچھ بھی ہو مگر حقیقت ان کی نور خالق ہی وہ لوگ تھے جن کی خلقت خیر ہی خیر تھا شر کی ہوا تک نہ لگی تھی جب آپ ان ہستیوں کو عقل کی روشنی میں تلاش کریں گے تو سوائے آل محمد کے اور کوئی نہ ملے گا۔

معلوم ہوا کہ آیت کے حقیقی مصداق ائمہ معصومین ہی تھے اسی لئے بعض بعض مفسرین نے اس کو خیر ائمۃ بھی پڑھا ہے مگر یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ

مصداق آیت اگر ہمارے آئمہ ہی تھے تو خیر کہنے کی کیا ضرورت تھی بس یوں کہدینا کافی تھا کہ کُنْتُمْ اَئِمَّۃً تم کو امام بنا کر پیدا کیا گیا اب خیر کی لفظ کا اضافہ بیکار۔ مگر میں عرض کروں گا کہ نہیں یہاں خیر کی لفظ کا استعمال نہایت ضروری تھا اس لئے کہ قرآن میں صاف ارشاد ہے وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا۔ ہم نے ان میں کچھ لوگوں کو امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں۔ تمام مفسرین کو تسلیم یہ آیت بنی اسرائیل سے متعلق۔ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل میں کچھ لوگ امام تھے اور جناب ابراہیم کے متعلق ارشاد ہوا کہ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا اے ابراہیم میں تم لوگوں کو امام بناؤنگا تو معلوم ہوا کہ بنص قرآنی بنی اسرائیل میں بھی امام تھے اور جناب ابرہیم بھی امام تھے۔ اب ہمارے ائمہ سے ارشاد ہوتا ہے کہ تم تمام اماموں سے بہتر امام ہو لہذا معلوم ہوا کہ ہمارے ائمہ ہر نبی سے بہتر۔ کیونکہ حضرت ابراہیم باجماع امت ہمارے رسولؐ کے علاوہ ہر نبی سے افضل اور ہمارے آئمہ جناب ابراہیم سے افضل تو ہر نبی و رسول سے افضل و بہتر اور کیوں نہ بہتر و افضل ہوں کیونکہ ہمارا رسولؐ خاتم النبیینؐ اور یہ سب خاتم النبیین کے جانشین۔ ہمارا رسولؐ سردار انبیاء اور ہمارے تمام ائمہ سردار انبیاء کے نائب ہمارا رسول سید المرسلین اور تمام آئمہ سید المرسلین کی روح و جان ہمارا رسول رحمۃ العالمین جس کے سایہ رحمت میں ہر نبی و رسول اور تمام آئمہ اسی رحمت کے ٹکڑے لہذا ہر نبی پر سایہ فگن ہمارا رسولؐ نور خدا سے پیدا ہوا اور ہر امام اسی نور کا ٹکڑا جس نور کے پسینہ سے انبیاء کی خلقت ہوئی لہذا تمام آئمہ

ہر نبی کے واسطے نورِ بصارت بلکہ نورِ بصیرت یہ اصلِ خلقت۔ یہ غرض خلقت وہ مبلغ غرض خلقت یہ کمالِ صنعت وہ شعارِ کمال صنعت یہ عینِ رحمت وہ زیرِ سایۂ رحمت [یہ مظہرِ صفاتِ الوہیت وہ معلمِ صفاتِ الوہیت] یہ وجہ اللہ وہ مشتاقِ زیارت وجہ اللہ یہ شرط کلمہ لا الٰہ الا اللہ وہ مبلغ کلمہ لا الٰہ الا اللہ۔ یہ مرکزِ دائرہ محبت و مودت اور تمام انبیاء اسیر سلسلۂ محبت و مودت لہٰذا ان کی ان سے نسبت ہی نہیں۔ یہ جب ہوں گے تو امام ہوں گے وہ جب آئیں گے تو تابع فرمان ہوں گے جیسے وقت ظہور امام عصرؑ اس عالم میں نزول عیسٰی ابن مریمؑ وہ فلک نشین یہ زینتِ مسندِ امامت یہ زمین وہ ملائکہ کی محفل میں یہ رحمتِ خدا کے حلقہ میں بظاہر وہ بلند یہ پست مگر زمین پر اتر کر عیسٰیؑ نے پردے اٹھائے اور بتا دیا کہ وہ بلند ہے جس کی نصرت و مدد کو فلک والے اتریں اور عقب میں کھڑے ہو کر نمازیں پڑھیں جگہ کی بلندی بلندی نہیں مرتبہ بلند نہ ہو مکان کی رفعت رفعت نہیں اگر فضائل کے تاج نہ ہوں فلک نشینی علو نہیں اگر زمین پر آنا پڑے۔ ہر فلک آسمان کے مصلے پر تھا اور ہمارا نبی سرزمین مکہ پر۔ مگر اتنی بلند منزل پر سکونت کے بعد بھی ملائکہ اہلبیت کے خادم تھے قرآن لوح محفوظ میں تھا مگر خاتم النبیین کی منزلت بلند تھی یوں ہی رہے جناب عیسٰیؑ آسمانوں میں ہمارے امام کی منزلت بلند رہی اسلام کے بہتر فرقوں میں کوئی فرقہ نہیں جس میں مہدی کے آنے کی خبر نہ ہو اور کوئی اسلام کا فرقہ ایسا نہیں جس میں نزولِ عیسٰیؑ کی بشارت نہ ہو

اسلام کے اکثر علماء اسے تسلیم کرتے ہیں کہ جناب عیسیٰ آئیں گے اور امام عصر ظہور کریں گے وہ فلک سے اتریں گے یہ زمین سے غیبت کے پردے ہٹائیں گے وہ نبی یہ امام وہ بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر یہ آلِ محمد کے آخری امام دونوں کی منزل ایک ہوگی دونوں کا ظہور ایک وقت میں ہوگا میرا دعویٰ یہ تھا کہ ہمارے آئمہ ہر نبی سے بہتر ہر رسول سے افضل سوائے خاتم النبین کے۔ لہذا اسی منزل ظہور میں فرق دیکھئے کہ کون افضل اور مفضول کون بلند اور کون پست۔ کون متبوع اور کون تابع کون مقتدیٰ اور مقتدی کون امام اور کون ماموم۔ نماز کا وقت اور جماعت کی صفیں قائم جن صفوں میں ملک بھی بشر بھی جن بھی انسان بھی مگر امام عصر امام جماعت اور عیسیٰ ابن مریم ماموین کی صفوں میں وہ آگے کیوں یہ پیچھے کیوں؟ وہ امام کیوں یہ ماموم ایک نہیں بہت سے وجہیں پہلے یہ کہ انکا دور رسالت ختم ہو چکا اب انکی امامت کا دورہ ہے وہ مسند خلافت چھوڑ چکے یہ مسند خلافت الٰہی پر متمکن ہیں اس کے آپ کتب فقہ میں دیکھ لیں کہ جب دو ایسے شخص ایک مقام پر جمع ہو جائیں جو دونوں امامت نماز کے اہل ہوں تو شریعت نے طریقہ ترجیح کیا رکھا ہے؟ کن اسباب کی بنا پر ایک کو مقدم اور دوسرے کو مؤخر کر دینے کا حکم دیا ہے؟

سنئے پہلی وجہ امام راتب ہے۔ مثلاً میں ایک مسجد میں ہمیشہ نماز پڑھاتا ہوں اب اگر دوسرا امام یہ چاہے کہ مجھے ہٹا دے اور خود نماز پڑھانے لگے تو ممکن نہیں لہذا جب جناب عیسیٰ زمین کی بستی چھوڑ کر فلک پر جا بیٹھے

اور ہزاروں برس بعد اترے اور ہمارا امام ہزاروں برس اسی زمین پر نماز پڑھاتا رہا۔ تو فلک پر عیسیٰ چاہیں امام ہو جائیں مگر زمین پر امام قائم آل محمد۔ لہذا حق تھا یہی نماز پڑھائیں دوسری وجہ زیادتی علم ہے تو عیسیٰ ابن مریم بہت کہیں گے تو یہ۔ ہیں تین کتابوں کا عالم۔ یعنی توریت۔ زبور۔ انجیل اور ہمارا امام چار کتابوں کا عالم توریت۔ زبور۔ انجیل۔ قرآن اگر علم میں بھی فرق نہ ہو تو سید کو غیر سید پر فضیلت ہے تو جناب عیسیٰ اولاد اسرائیل اور ہمارا امام آل محمد سید السادات تو جناب عالی جس شخص میں ایک صفت زائد ہو جب وہ نماز میں مقدم ہو جائے تو امام راتب بھی سید ہاشمی بھی آل رسول بھی، نائب رسول بھی علم میں اعلم۔ فقہ میں افقہ وہ کیوں نہ امامت میں مقدم ہو اور کیوں نہ عیسیٰ عقب میں ہوں معلوم ہوا کہ ہمارا ہر امام محمد مصطفےٰ کے علاوہ ہر نبی سے افضل و بہتر اسی لئے ارشاد آیت تھا کہ تم تمام اماموں سے بہتر و افضل ہو۔

بہر حال یہ ایک وجہ تھی اور دوسری وجہ خیر کہنے کی یہ کہ امام صرف ایک ہی طرح کا نہیں ہوتا۔ بلکہ امام دو طرح کے ہوتے۔ ایک امام کفر، دوسرے امام ایمان۔ ایک امام گمراہ کرنیوالا۔ ایک امام ہدایت کرنے والا۔ قرآن ہی ارشاد کرتا ہے کہ۔ وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا۔ ہم نے انکو امام بنایا جو حکم سے ہدایت کرتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ امام خیر۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ ہم نے ان کو امام بنا دیا جو گمراہوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں معلوم ہوا کہ ہدایت کرنیوالا

بھی امام گمراہ کرنے والا بھی امام تو جو ہدایت کرے وہ یقیناً خیر، جو گمراہ کرے وہ یقیناً شر۔ لہٰذا جب آیت نے ہمارے آئمہ کی مدح کی تو ارشاد کیا تم آئمہ خیر ہو جو لوگوں کی ہدایت کے واسطے پیدا کئے گئے تو اب جو ان کے مقابل امام بن کر آیا وہ یقیناً امام شر ہی ہوگا پھر اب جانئے کہ جو علیؑ کے مقابلے میں امام بن کر آیا وہ یقیناً امام مگر یہ امام خیر وہ امام شر۔ جو حسنؑ کے مقابلے میں آیا وہ بھی امام مگر یہ خیر وہ امام شر جو حسین کے مقابلے میں آیا وہ بھی امام مگر یہ امام خیر وہ امام شر۔ یزید کو بھی بعض گمراہ خلیفہ رسولؐ مانتے ہیں لہٰذا ان کا امام یزید تھا۔ مگر امام شر اور ہمارے امام کو بھی دنیا امام مانتی ہے لہٰذا امام مگر امام خیر وہ جہنم کی طرف بلا رہا تھا یہ جنت کی طرف ہدایت کر رہے تھے۔ اس کی طرف دوزخ تھا۔ ان کی طرف فردوس تھی جب ہی تو حر گھبرا گیا گھوڑے کو ایڑ دے کر اپنے فرزند کو آواز دی یَا بُنَیَّ ذَا صَبْرٍ لِّیْ عَلَی النَّاسِ مُسْتَرِیْحًا بِیْ الْحُسَیْنِ۔ ہاں عزادارانِ حسینؑ آج میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے اسی شہید کا حال عرض کروں۔

جب صبح عاشورہ حسین کو یقین ہو گیا کہ اب شیطانی لشکر پر کسی وعظ و نصیحت کا اثر نہ ہوگا تو آپ نے صفِ دشمن کے قریب آکر آوازِ استغاثہ بلند کی اَمَا مِنْ مُغِیْثٍ یُغِیْثُنَا لِوَجْہِ اللّٰہِ۔ اَمَا مِنْ ذَابٍّ یَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ کوئی ہے جو محض خدا کی خوشی کے واسطے ہماری فریاد رسی کرے۔ آیا کوئی ہے کہ جو حرم رسول سے اس بلا کو دفع کرے بظاہر تو یہ آوازِ استغاثہ تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ حسین کو معلوم تھا

کہ ابھی فردِ شہداء نامکمل ہے۔ کچھ لوگوں کے نام فردِ شہداء میں ہیں مگر
ابھی ذرا تحریک کرنے کی ضرورت ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ امام حسینؑ
کی اس آواز کو سن کر حر کے دل میں نورِ ایمان چمکا اور گھوڑا بڑھا کے پسر
سعد کے قریب آیا بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ سوال کرتا ہے۔
اَمُقَاتِلٌ ھٰذَا الرَّجُل پسر سعد کیا اس شخص کے ساتھ جنگ کرے گا؟
پسر سعد نے جواب دیا کہ ہاں ہاں اور اتنی جنگ کروں گا کہ یہ میدان
کٹے ہوئے سروں اور ہاتھوں سے پٹ جائے گا حرؑ نے کہا کیا صلح ممکن
نہیں؟ عمر سعد نے جواب دیا کہ اگر میرے اختیار کی بات ہوتی تو ضرور صلح کرتا مگر
کیا کروں کہ ابن زیاد نہیں مانتا بس یہ سنکر حر سر جھکائے ہوئے اپنی صف کے
قریب آیا اور اپنے عزیز قرہ ابن قیس کی طرف متوجہ ہو کے کہا کہ کیوں
قرہ کیا تم نے آج اپنے گھوڑے کو پانی پلایا ہے گویا مطلب یہ تھا کہ تم اپنے
جانوروں تک کو سیراب کر رہے ہو اور آلِ رسول پیاسے تڑپ رہے ہیں بہر
حال یہ کہہ کر حرؑ نے آہستہ آہستہ اپنے گھوڑے کو امام حسینؑ کے لشکر کی طرف
بڑھانا شروع کیا یہ دیکھ کر مہاجر ابن اوس نے ٹوک کر کہا کہ کیوں حرؑ
کیا حسینؑ ابن علیؑ پر حملہ کرو گے۔ بس حملہ کا نام سننا تھا کہ حر کے جسم میں لرزہ
پڑا ہاتھ پیر کانپنے لگے قریب تھا کہ گھوڑے سے گر پڑے یہ دیکھ کر مہاجر
نے کہا کہ ہائیں ہائیں حر یہ تم کو کیا ہو گیا ہے مجھ سے اگر کوئی پوچھتا تو
میں کہتا کہ کوفہ بھر میں تم سے بڑھ کے بہادر کوئی نہیں اور آج تم میدان
جنگ میں یوں ڈر رہے ہو یوں کانپ رہے ہو بس یہ سن کر حر کو تاب نہ

رہی اور تڑپ کر جواب دیا کہ نہا جو خدا گواہ ہے میں موت سے نہیں ڈرتا لیکن ایک طرف جنت ہے اور ایک طرف جہنم ہے مجھ میں جہنم میں جلنے کی طاقت نہیں ہے یہ کہہ کر پیچھے پلٹ کر اپنے فرزند علی کو دیکھ اور آواز دی یَا بُنَیَّ لَا صَبْرَ لِیْ عَلَی النَّارِ فَخِفْنَا اِلَی الْحُسَیْنِ میرے نور نظر مجھ میں جہنم میں جلنے کی طاقت نہیں چل اے فرزند حسین کے پاس چل یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ دی اور ساتھ ہی بیٹے نے بھی گھوڑے کی باگ سنبھالی اور سرپٹ گھوڑے چھوڑ دیئے لوگ سمجھے کہ حسین پر حملہ کر دیا مگر لشکر حسینی کے قریب آکر دونوں ہاتھ ڈھال سے باندھے نگاہ فلک کی طرف اٹھائی۔

میرے مالک بہت نادم ہوں بہت پشیمان ہوں کہ تیرے رسولؐ کے اہل حرم کو ستایا ان کا راستہ روک کر یہاں تک لایا پروردگار میرا گناہ معاف کر دے اللہ سے توبہ کرتا ہوا امام حسینؑ کے قریب آیا سر قدموں پر رکھ دیا۔ امام حسینؑ نے فرمایا بھائی سر تو اٹھا میں دیکھوں کہ تو کون ہے؟ عرض کی مولا میں وہی گناہ گار ہوں حر جس نے سب سے پہلے آپ کا راستہ روکا بخدا میں یہ نہ جانتا تھا کہ یہ بدکردار آپ کے ساتھ یہ سلوک کریں گے مولا اب میں اپنے فعل پر بہت نادم ہوں آقا کیا میری توبہ قبول ہوگی؟ امام نے فرمایا ہاں اے حر خدا تیری توبہ قبول کریگا صاحب ناسخ کی تحقیقات کیمطابق حر عمر سعد کے لشکر کے قریب آیا اور بہت کچھ وعظ و نصیحت کی مگر اثر ہونے کے بجائے لشکر سے تیر آنا شروع ہوئے تیروں کا آنا تھا کہ جنگ چھڑ گئی اور کچھ انصار حسینی زخمی ہوئے ....

اس وقت حر نے اجازت لی اور میدان میں آکر رجز پڑھی رجز کی آواز سنتے ہی حر کا بھائی مصعب بے چین ہو کر صفِ دشمن سے نکلا لوگ سمجھے کہ بھائی سے مقابلہ کرے گا۔ مگر بھائی کے قریب آکر گھوڑے سے اترا۔ واہ بھائی آپ جہنم سے نکل آئے اور مجھ کو دوزخ میں چھوڑ دیا۔ حر نے کہا بھائی خدا تم کو جزائے خیر دے۔ جاؤ جاؤ حسینؑ سا کریم آقا سامنے ہے توبہ کرو خطا معاف کرے گا۔ مصعب حسینؑ کے قریب آیا۔ توبہ کی اور صفِ اصحاب حسینؑ میں شامل ہو گیا۔ ادھر حر نے مڑ کر اپنے فرزند علی کو دیکھا اور کہا نورِ نظر ذرا دشمن پر حملہ تو کر بیٹے نے باپ کی اطاعت میں سر جھکایا اور تن تنہا لشکر پر حملہ کیا۔ باپ بیٹے کی جنگ دیکھ رہا ہے اور بیٹا دادِ شجاعت دے رہا ہے بہت سے اشقیا کو قتل کر کے زخموں سے چور چور ہو گیا۔ آخر کار گھوڑے پر سنبھلا نہ گیا اور شہید ہو کر خاک پر گرا کوئی اور باپ ہوتا تو رو دیتا سر و سینہ پیٹتا مگر حر سا شیدائے حسین خوش ہو گیا اور اتنا خوش کہ چہرے پر سرخی دوڑ گئی اور کہا کہ اس خدا کا شکر ہے کہ جس نے تجھ کو میرے مولا اور آقا حسین ابن علی کی نصرت میں شہادت عطا فرمائی یہ کہہ کر لاش پسر سے منہ پھیر لیا اور دشمن کی صف پر حملہ کیا بہت سے اشقیا واصل جہنم ہوئے آخر عمر سعد کے حکم سے تیراندازوں نے گھیر لیا اور تیر بارش کی طرح چاروں طرف سے برسنے لگے ایک شخص نے بڑھ کر حر کے گھوڑے کو بھی زخمی کر دیا اب حر نے پاپیادہ جنگ شروع کی آخر کہاں تک جنگ کرتے زخمی ہو کر زمین پر گرے بس یہ دیکھ کر امام حسین بے چین ہوئے اصحاب کو حکم دیا

کہ میرے مہمان کو اٹھا لاؤ۔ اصحاب دوڑے حر کو اٹھا کر امام حسینؑ کے سامنے لائے امام حسینؑ حر کا سر زانو پہ لے کے بیٹھ گئے اپنی عبا سے حر کے چہرے سے خون پونچھا اور فرمایا کہ حر تیری ماں نے کیا اچھا تیرا نام رکھا تھا کہ اب تو دنیا اور آخرت دونوں میں آزاد ہے۔

عزاداران حسین! میرا دل چاہتا ہے کہ میں دست بادب باندھ کر مولا کی خدمت میں عرض کروں کہ مولا آپ نے تو اپنے مہمان کی یہ قدر کی مگر مولا عمر سعد نے اپنے مہمان کی کیا قدر کی؟ کون تھا جو آپ کا سر زانوں پر لے کر بیٹھتا نہ اصحاب تھے نہ اعزا نہ بھائی نہ بیٹا۔ ہاں شاید اسی تمنا میں بہن نکل آئی مگر انکو بھی لشکر نے راستہ نہ دیا آخر ایک بلندی پر چڑھ گئیں دیکھا چاروں طرف دشمن کا لشکر ہے بیچ میں بیکس بھائی حسین ابن علی ہے کچھ بس نہ چلا تو عمر سعد کی طرف رخ کیا۔ کیوں پسر سعد یہ میرا مظلوم بھائی قتل ہو رہا ہے اور تو دیکھ رہا ہے جب دیکھا کہ عمر سعد کوئی جواب نہیں دیتا تو رخ کیا مدینہ کی طرف یا جدّاہ۔ اے نانا آپ کہاں ہیں ارے میرا بھائی قتل ہو رہا ہے خاک و خون میں لوٹ رہا ہے ارے کوئی بچانے والا نہیں

مجلس پنجم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیآء والمر
سلین سیدنا ونبینا وشفیعنا ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین
الطاہرین ۔ امابعد فقد قال اللہ تعالیٰ وتبارک فی کتابہ
المبین وھو اصدق الصادقین ۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس
تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ ط ولو
اٰمن اھل الکتاب لکان خیرا لھم منھم المؤمنون واکثر
ھم الفاسقون ۔ (پارہ ۴ سورہ آل عمران ع آیت ۱۰۹)

"تم کیا اچھی امت اور کیا بہترین لوگ ہو جو انسانوں کی ہدایت کیواسطے پیدا کئے گئے اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو بری باتوں سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو اور اگر صاحبان کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے واسطے بہت اچھا تھا۔ مگر ان میں کچھ تو ایمان دار ہیں اور بہت زائد فاسق و بدکار ہیں۔"

قرآن کریم تمام کتب سماوی میں وہ جوہر ضیا بار اعجاز ہے جو کلام خدا ہونے میں تمام کتب آسمانی کا مثل ہو کر احکام کی تعلیم میں صحف انبیاء سے

آگے بڑھا اور بیان واقعات عالم میں توریت وانجیل کے برابر ختم کر شان اعجاز میں برتر ہو گیا جس طرح ہمارا رسولؐ ہر نبی سے مرتبہ نبوت میں شامل مگر رسالت پاکر بلند ہوا ہر رسولؐ مرتبہ رسالت میں ساتھ رہا مگر ہمارا رسولؐ اولوالعزم ہو کر آگے بڑھ گیا ہر اولوالعزم پیغبر اس درجہ میں جب برابر ہو گیا تو ہمارا رسولؐ تمام مخلوقات کا امام بن کر بلند ہو گیا۔ جب اس مرتبہ امامت میں جناب ابراہیمؑ پہلو بہ پہلو ملے تو سید المرسلین امامت اپنی اولاد کو دے کر خاتم النبیین ہو گیا۔ یعنی ہر راہ نبوت کا چلنے والا چند قدم ہمراہ رہا مگر رسولؐ عربی کی سرعت رفتار نے مختلف انبیا کو مختلف منازل پر چھوڑا اور خود قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ تک پہنچا۔ جہاں خود تھا اور خدا تھا۔ بیخودی تھی اور خودداری تھی حجاب قدرت تھا یا حجاب عبدیت تھا ادھر وحدت حقیقی تھی ادھر وحدت مجازی تھی ادھر وہ اپنی الوہیت میں اکیلا تھا ادھر یہ بزم وحدت میں اکیلا تھا وہ اپنی کبریائی پر نازاں تھا یہ اپنی یگانگی میں نازاں تھا کون نبی ہے جو اس منزل تک پہنچا ہو۔ کوئی نہیں نہ نبی نہ مرسل نہ امام نہ پیغمبر نہ جن نہ ملک جو تھا وہ پست اور ہمارے رسولؐ سب سے بلند یونہی قرآن کریم تمام صحف انبیاء سے بہتر تمام کتب سماوی سے بہتر اپنی جامعیت کے اعتبار سے۔ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے تمام کتب ارضی و سماوی سے افضل جس میں ظاہر ہے۔ باطن ہے تفسیر ہے تاویل ہے معانی ہیں اور ان معانی میں تفسیریں ہیں جیسے بحرین اور بحرین میں صدف تفسیریں ہیں اور ان تفسیروں میں تاویل جیسے صدف اور صدف میں موتی

تاویلیں ہیں اور ان تاویلوں میں ہدایت کا نور جیسے موتی اور موتی میں آب و تاب جس طرح موتی وہی پا سکتا ہے جو دریاؤں میں غوطہ لگا کر تہہ تک پہنچ سکے ویسے ہی ہدایات قرآن سے بھی وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو غواص بحر علوم ہو یعنی "راسخین فی العلم" میں داخل ہو سکے سب پڑھتے ہیں قرآن اور ہر ایک انسان قرآن کے معانی بھی بیان کرتے ہیں سینکڑوں تفسیر و تاویل کے میدان میں قدم رکھتے ہیں۔ مگر ہر ایک کی مجال نہیں کہ حقیقت کے موتی تلاش کر سکے قرآن کی تہوں تک وہی پہنچ سکتا ہے جو ساحل تک رسائی کر کے گرداب محبت میں غرق ہو چکا ہو اور تطہیر سے تمسک کر کے گمراہی کی موجوں سے بچا رہے ضلالت کے فلک بوس گنبدوں کو حباب بحر کی طرح فانی سمجھا کفر و نفاق کے طوفان بہائے جانے میں کوشاں رہے مگر سفینۂ آل محمدؐ تک پہنچ کر مطمئن ہو گیا تفسیر و تاویل قرآن کے سچے موتی اگر مل سکتے ہیں تو دربار دوازدہ امامؑ سے سیلاب ضلالت سے پناہ مل سکتی ہے تو صرف احادیث معصومینؑ کی پناہ گاہوں میں یہی وہ نورانی شمعیں ہیں جن کی ضیا باریوں میں کلام الٰہی کے حقیقی مطالب نظر آ سکتے ہیں۔

آیت میں نے پڑھی اور قرآن میں اب تک موجود ہے کہ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس "تم ایک اچھی امت ہو انسانوں کی ہدایت کیواسطے پیدا کئے گئے" قرآن میں لفظ امت کئی جگہ آیا ہے اور امتیں مختلف ہوا کرتی ہیں کوئی گمراہ کوئی ہدایت یافتہ کوئی امت جہنم کی مستحق کوئی جنت کی کوئی گزشتہ کوئی امت کوئی موجود کوئی فرد واحد۔ مگر اپنی عظمت و جلالت اختیار و اقتدار کے اعتبار

سے امت کہے جانے کی مستحق۔ اور کوئی اپنی کثرت تعداد کی بنا پر امت کہے جانے کے قابل یہاں تک کہ قرآن نے جانوروں تک کے لئے ارشاد کر دیا کہ انسانوں تمہاری ہی طرح سے ان کی بھی امتیں ہیں تو جب امتیں ہوئی مختلف تو قرآن کسی گروہ کو امت کہدے تو نہ اس کے واسطے کوئی شرف ہے نہ فضیلت اسی وجہ سے جب اس نے کسی امت کو کہا تو کسی نہ کسی صفت کا اضافہ کر کے جب جناب ابراہیم علیہ السلام کو امت فرمایا تو ارشاد ہوا کہ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ۔ ہمارا خلیل ابراہیم اپنے صفات و کمالات کے اعتبار سے ایک امت تھا جو خدا کا فرمانبردار تھا معلوم ہوا کہ ایک ذات بھی جب تمام کمالات کی جامع ہو تو اپنے مقام پر خود ایک امت ہے اس لئے اگر ہم کہیں تو بے جا نہ ہو گا کہ جس طرح جناب ابراہیم فرد واحد ہونے کے بعد امت تھے یونہی وارث سنتِ ابراہیمی ہمارا ہر امام خود ایک امت تھا۔ مفسرین نے نقل کر دی ہے کہ جناب ابراہیم کو عہدہ نبوت دیئے جانے کے بعد "امت" کا لقب دیا گیا معلوم ہوا کہ امام اس کا مستحق ہے کہ اگر وہ تن تنہا بھی ہو تو بھی امت۔ لہذا ہمارا ہر امام امت تھا۔

یہ تو تھا امت کے بارے میں مختصر بیان اب رہ گئی لفظ خیر تو خیر کے معنی پوشیدہ نہیں کہ میں تشریح کروں یہ تو وہ لفظ ہے کہ جس سے بچہ بچہ واقف۔ ہر اچھی چیز خیر ہر بری چیز شر جس سے نفع ہو وہ خیر جس سے نقصان ہو وہ شر خدا خیر فاعل خیر۔ خالق خیر۔ ہر بات اس کی خیر ہر فعل اس کا خیر قرآن خیر رسولؐ خیر لہذا ہمارا ہر امام بھی خیر تھا۔ شر کا کہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ مشہور ہے

دنیا میں خیر الامور اوسطہا تمام کاموں میں وہ کام خیر جو درمیانی ہو تو معلوم
ہوا کہ وسطی سے خیر ہوتی ہے اسی وجہ سے تو قرآن نے ارشاد کیا کہ وکذالک
جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم
شہیدا۔ ہم نے تم کو درمیانی امت قرار دیا تاکہ تم انسانوں پر گواہ رہو
اور رسولؐ تمہارے گواہ ہوں تو جس طرح یہاں امت وسط کون؟ آل رسولؐ
یوں ہی وہاں امت خیر کون؟ اہلبیت محمدؐ ان میں کی ہر ذات دیکھتے ہیں
ایک گر اپنے صفات اپنے کمالات اپنے فضائل کے اعتبار سے امت
کہے جانے کی مستحق ہے ہمارا ایمان ہے کہ تمام انبیاء و ہر انسان سے بہتر اور
تمام رسل ہر نبی سے افضل اور تمام اولوالعزم ہر رسل سے افضل اور جناب
ابراہیمؑ سوائے ہمارے رسولؐ کے ہر اولوالعزم پیغمبر سے بہتر مگر انہی ابراہیمؑ کو
جب اپنے اماموں کے مقابلے میں دیکھتا ہوں تو آیت آواز دیتی ہے وان من
شیعتہ لابراہیم۔ علیؑ ہی کے شیعوں میں ابراہیمؑ بھی تھے ہوں آدمؑ صفی
ابراہیمؑ خلیل، موسیٰؑ کلیم، عیسیٰؑ روح مگر ان میں سے جو بھی محمدؐ و آل محمدؐ کے
مقابلہ میں آجائے وہ سر نیاز جھکائے دست بدعا و الحقنی بالصالحین
پروردگار مجھ کو صالحین میں شامل کر دے۔ خدا ہی جانے وہ صالحین کون
تھے جن سے مل جانے کی تمنا ہر نبی کو تھی ہر رسل کو تھی مگر ہاں آیت نے
پردہ اٹھایا جب رسولؐ کی دو بیویوں نے آپ کی مخالفت پر کمر باندھی تو
ارشاد رب العزت ہوا وان تظاہرا علیہ فان اللہ ہو مولاہ وجبریل و
صالح المومنین تم دونوں توبہ کر لو کیونکہ تمہارے دل کج ہو گئے ہیں اور

اگر تم نے توبہ نہ کی اور اسی طرح رسول کی مخالفت میں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو کچھ پرواہ بھی نہیں۔ رسول کا مونس و مددگار خدا ہے اور جبریل ہے وہ مددگار ہے جو صالح المومنین ہے لوگ کہتے ہیں کہ ہر وہ مومن مراد ہے جو صالح ہو مگر خیال نہیں کرتے کہ کسی اور کا ذکر نہیں مولا کا ذکر ہے لہذا آئے گا اس منزل پہ تو وہی جس کے واسطے ارشاد رسول تھا کہ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَہٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ پہچان لو کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی بھی مولا ہے

اب اگر آپ ہماری زبان پکڑیں اور کہہ دیں کہ دیکھئے آیت میں آپ نے مولیٰ کے کیا معنی کہے ؟ وان اللہ ھو مولاہ۔ رسول کا مددگار خدا ہے تو معلوم ہوا کہ مولیٰ کے معنی ہیں مددگار لہذا غدیر خم میں بھی تو یہی تھے۔ رسولؐ نے یہی فرمایا تھا کہ جس کا میں مددگار ہوں اس کا علی بھی مددگار ہے علیؑ کو ولایتؑ خلافت کب دی تھی ؟ تو ہم جواب دیں گے کہ بالکل ٹھیک مولیٰ کے معنی مددگار کے بھی ہیں مولا آقا اور مالک کو بھی کہتے ہیں اور مولا کے معنی غلام کے بھی ہیں اور جب تمام معنی ہیں تو اب میں آیت پڑھتا ہوں ان اللہ ھو مولاہ و جبریل و صالح المومنین۔ اب فرمائیے کہ معاذ اللہ۔ رسولؐ کا غلام اللہ ہے اور جبریل ہیں یہیں نا یہ معنی ؟ آپ فرمائیں گے توبہ توبہ یہ تو کفر ہو گیا بھلا خدا بھی کسی کا غلام ہو سکتا ہے۔ یہاں مولیٰ کے معنی غلام نہیں ہیں بہت اچھا اب میں دوسرے معنی کہتا ہوں ان اللہ ھو مولاہُ رسولؐ کا آقا اور مالک خدا اور جبریل ہے اور صالح المومنین ہے آپ فرمائیں گے کہ توبہ کرو یہ بھی معنی درست نہیں۔ کیوں صاحب کیوں نہیں ؟ جی اس لئے نہیں کہ

خیرالله تو رسولؐ کا آقا اور مالک تھا ہی مگر جبرئیل اور صالح المومنین تو خود رسول کے خادم تھے ان کے آقا و مولیٰ نہ تھے جناب یہ اچھا لطف ہے کہ جب ایک ہی لفظ کے کئی معنی ہیں تو مجھ کو اختیار ہے جو معنی چاہوں کہوں میں کہتا ہوں کہ مولا کے معنی غلام آپ فرماتے ہیں توبہ کرو میں کہتا ہوں مولا کے معنی آقا فرماتے ہیں توبہ کرو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیوں ؟ آپ کہیں گے کہ ہاں لفظ کے معنی تو بہت ہیں مگر ہر جگہ سب معنی مراد نہیں ہو سکتے بلکہ واقعات کو دیکھو حالات کو دیکھو۔ قرآن کو دیکھو۔ یہ دیکھو کہ آیت کے پہلے کیا ذکر ہے آیت کے بعد کیا ذکر ہے ؟ اس کے بعد ان سب چیزوں کی مناسبت سے معنی کہو آیت میں بی بیوں کی مخالفت کا ذکر ہے سازش کا ذکر ہے ایک دوسرے کی حمایت کا ذکر ہے یہاں آقا اور غلام سے کیا بحث تھی ؟ حالات تو صاف صاف بتا رہے تھے کہ یہاں معین مددگار کی ضرورت تھی اگر تم رسولؐ کے مقابلے میں ایک دوسرے کی مدد کرو تو ہم بھی اپنے رسولؐ کی حمایت کو موجود ہیں۔ اچھا! تو یہ کہیے کہ معنی سمجھنے کے لئے حالات واقعات کی ضرورت ہے تو بندہ پرور وہاں کو حالات و واقعات دیکھے بغیر قدم نہ اٹھایا اور غدیر میں منہ کھول کر معنی کہہ دیئے کہ مراد ہے دوست واہ آپ کی عقل نے وہاں سمجھایا کہ چلتا ہوا قافلہ روکا گیا۔ بڑھ جانے والے پلٹائے گئے پیچھے رہ جانیوالے بڑھائے گئے تیز دھوپ اور شدت کی گرمی میں جب پیدل چلنے والے پیروں میں کپڑے لپیٹے تھے جلتی زمین پر ایک لاکھ بیس ہزار اشخاص بٹھائے پالان شتر کا منبر بنا اور رسولؐ اس تیز دھوپ میں منبر پر گئے علیؑ کو ہاتھوں پر بلند کیا

اور اس تمام انتظام کے بعد فرمایا گیا: بس صرف اتنا کہ بعض دیکھو جس کا میں مددگار ہوں اس کا علی بھی مددگار ہے۔ کون مانے گا کہ یہ سب اہتمام صرف اتنی سی بات کے لئے تھا لہٰذا اگر یہاں آپ نے حالات کو دیکھے بغیر معنی بتلائے تو آیت میں بھی حالات کو علیحدہ کیجئے اور معنی بکئے کہ معاذ اللہ خدا محمدؐ کا غلام اور اگر یہ معنی توبہ کرنے کے قابل تو غدیر میں بھی دوست کہنا۔ علیؑ کی ولایت میں شرک لہٰذا توبہ کرنے کے قابل!

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ علیؑ ابن ابی طالب ہی صالح المومنین سے مراد تھے اور اسی طرح ان کی اولاد اطیاب صالح المومنین کا مصداق تھی۔ یوں نہیں آیت پیش کروں ارشاد رب العزت ہے ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا ہم نے انسان کو نصیحت کر دی کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے۔ حالات واقعات اور تفسیر معصوم سب یہی چیزیں بتاتی ہیں کہ اس آیت سے مراد ہمارے سید و آقا امام حسینؑ تھے آگے چل کر آیت کہتی ہے کہ جب حسینؑ چالیس برس کی عمر کو پہنچے تو انہوں نے دعا کی خداوندا میری مدد کر کہ میں ان نعمتوں کا شکریہ ادا کروں جو تو نے مجھ کو عطا کیں یا میرے ماں باپ کو عنایت کیں اس کے بعد کیا فرماتے ہیں؟ واصلح لی فی ذریتی اور میری اولاد میں بھی میرے واسطے نیکی قرار دے یعنی میری اولاد کو نیک و صالح بنا دے کون کہہ سکتا ہے کہ امام حسینؑ کی یہ دعا قبول نہیں ہوئی لہٰذا جتنے امام صالح المومنین ہونے کے مصداق تھے وہ سب اولاد امام حسینؑ میں قرار دیئے گئے یہی بارہ صالحین کی جماعت تھی جن کے مرتبوں کی بلندی

دیکھ کر جناب ابراہیمؑ کی اور تقریباً ہر پیغمبر کی دعا تھی کہ مجھ کو صالحین میں شامل کر دے اور جواب رب العزت تھا ان من شیعتہ لابراھیم تو معلوم ہوا کہ کنتم خیر امۃ میں امت کہئے تو یہ بہترین امت۔ امام کہئے تو یہ بہترین امام تو اب میں ان اماموں کے مقابلے میں کسی نبی کو لاؤں! لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا نبی تمثیل موسیٰ ہے یعنی! ادھر حضرت موسیٰؑ اور ادھر جناب محمد مصطفےٰ صلعم اور کیوں؟ اس لئے کہ قرآن فرماتا ہے کہ انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً۔ اے مکہ والو! ہم نے تمہاری طرف رسولؐ بھیجا تھا۔ لوگوں نے آیت دیکھی اور بول اٹھے کہ ہمارے رسولؐ مثل موسیٰ تھے مگر میں یہ عرض کروں گا کہ خدا نے محمدؐ کو موسیٰ کی شبیہ کب کہا یہ کہاں کہا کہ یہ رسولؐ ویسا ہی ہے جیسے موسیٰ تھے؟ یہاں تو ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح ایک رسول ہم نے وہاں بھیجا تھا اسی طرح ایک رسول یہاں بھیجا۔ یعنی آنے والے کی تشبیہ آنے والے سے نہیں ہے بلکہ بھیجنے کی تشبیہ، بھیجنے سے ہے۔ جیسے آپ کے یہاں کوئی شادی ہو اور کوئی دوست آپ سے شکایت کرے۔ اجی آپ نے سب کو بلایا مگر مجھ کو نہیں بلایا۔ اور آپ جواب دیں کہ میں نے جس طرح سب کو خط بھیجے تھے اسی طرح تم کو بھی بھیجا تھا۔ تو کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ سب برابر کے تھے! جی نہیں کوئی ان میں امیر تھا کوئی فقیر تھا۔ کوئی عالم تھا۔ کوئی جاہل تھا۔ کوئی عزیز تھا۔ کوئی غیر تھا۔ سب کے سب برابر نہ تھے۔ مگر بلانے کا انداز سب کو ایک تھا۔ یہی مطلب آیت کا بھی تھا۔ کہ میرا محمدؐ، موسیٰ کے

برابر نہیں ہے مگر بھیجنے کا انداز وہی ہے جو موسیٰ کے لئے تھا آپ ہی فرمائیں کہ محمد اور مثیل موسیٰ ؟ یہ تو وہ عالی منزلت تھا جس کا مثل و نظیر عالم میں کوئی تھا ہی نہیں موسیٰ کی شان بس تھا کہ وکلم اللہ خدا نے موسیٰ سے باتیں کیں ہیں ان کے واسطے ارشاد تھا کہ دیا ینطق عن الھویٰ ان کی باتیں تو ہماری باتیں ہیں" آپ ہی فرمائیں کہ کہاں وہ جو بلایا نہ جائے بلکہ آگ کی چمک دیکھ کر خود پہنچے۔ اور کہاں وہ جس کو بڑے اہتمام و انتظام سے بلایا جائے۔ کہاں وہ جو پیدل جائے اور کہاں وہ جس کے واسطے براق سی سواری آئے پیدل چلنے والا طور ہی تک بلند ہو کر رہ جائے اور سوار براق عالم نور تک پہنچ جائے ان کو حکم ہوا فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ذرا جوتیاں اتار کر آؤ۔ ان کو حکم ہوا۔ ادن منی اور قریب آؤ اور قریب آؤ جب جناب موسیٰ کو حکم ہوا کہ جا کر فرعون کی ہدایت کرو اس نے بہت سر اٹھایا ہے۔ تو جناب موسیٰ نے عرض کی میرے مالک جاتا ہوں مگر ذرا میرا سینہ تو کشادہ کر دے میری زبان کی گرہیں تو کھول دے اور سب سے زائد یہ کہ میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے اور اس کے ذریعہ سے میرا بوجھ ہلکا کر دے یہ سب دعائیں جناب موسیٰ کی قبول ہوئیں شرح صدر بھی ہوا۔ زبان کی گرہیں بھی کھلیں ہارون سا وزیر قوت بازو بھی بنا۔ مگر مانگ کر پایا تو کیا ؟ ہاں فخر اس کے واسطے ہے جس سے خود لسان قدرت کہہ رہی ہے الم نشرح لک صدرک کیا ہم نے تمہارے سینہ کو کشادہ نہیں کر دیا؟ ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک اور کیا ہم نے تمہاری رسالت کا

وہ بوجھ ہلکا نہیں کردیا جو تمہاری کمر توڑے دے رہا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے کہ وزیر کے معنی ہیں بوجھ اور وزیر وہ جو بوجھ اٹھائے۔ تو معلوم ہوا کہ ہارون موسیٰ کے وزیر جنہوں نے ان کا بوجھ اٹھا بٹا لیا۔ اور خدا اپنے حبیب سے کہتا ہے کہ میں نے تمہارا بوجھ ہلکا کردیا تو معلوم ہوا کہ یہاں بھی کوئی وزیر بنا دیا تھا جس نے بوجھ بٹا لیا۔ یارسول اللہ کچھ بار تبلیغ آپ کے کاندھے پر کچھ میرے کاندھے پر۔ رسالت کا دعویٰ آپ کریں تصدیق میں کروں۔ امام جماعت آپ ہوں امام امت میں رہوں حق کی طرف لوگوں کو آپ بلائیں۔ سینہ سپر میں رہوں قرآن کے لفظ آپ بتائیں تفسیر میں کروں سپہ سالار اسلام آپ رہیں علمدار میں رہوں۔ رحمت کی تصویر آپ بنیں غضب کا مرقع میں بنوں۔ زبان سے جہاد آپ کریں تلوار سے جہاد میں کروں۔ بت شکنی کا حکم آپ دیں بت شکنی میں کروں۔ کوثر۔ لوائے حمد جنت و نار سب کے مالک آپ رہیں۔ گر ساقی بحامل۔ قسیم جنت و نار میں رہوں۔ قاب قوسین کی منزل پر جا کر آسمانوں کی دیکھ بھال آپ کریں زمین کا لنگر بن کر دنیا کی ہستی کو میں سنبھالوں شہر علم آپ رہیں باب علم میں رہوں سلطان دنیا و دین آپ وزیر با تدبیر میں نبی آپ وصی میں۔ رسالت آپ کی ولایت و امامت میری جب یوں وزیر نے ہاتھ بٹا کر بوجھ ہلکا کر دیا اس وقت آیت اتری ووضعنا عنک وزرک ہم نے تو پہلے ہی تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا۔ کیوں کہ علی سا قوت بازو آغوش میں تھا۔ گود میں تھا۔ کاندھے پر تھا۔ پہلو میں تھا اس کے

بعد ارشاد رب العزت ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ہم نے تمہارے ذکر کو بلند بھی تو کر دیا فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا لے ہمارے حبیب ہر سختی کے ساتھ آسانی ہے۔ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ۔ تو دیکھو جب تم مکمل تبلیغ رسالت کر چکے تو اب کسی کو اپنی جگہ نصب بھی تو کر دو قائم مقام بھی تو بنا دو اور جب قائم مقام بنا چکنا تو ہماری طرف آنے کی رغبت کرنا۔ یعنی جب تک کسی کو قائم مقام نہ کر لینا ہماری بارگاہ میں آنے کا خیال بھی نہ کرنا۔

اسی سے تو جب محفل غدیر آراستہ ہو چکی تو رسولؐ نے تمام حاضرین سے سب سے پہلے یہی پوچھا لے گروہ مردم کیا میں نے تمام احکام خدا پہنچا دیئے؟ سب نے عرض کی کہ جی ہاں آپ نے سب کچھ پہنچا دیا اس وقت رسولؐ نے فرمایا کہ میرے خالق میرے مالک سن لے کہ میں سب کچھ پہنچا چکا۔ اذا فرغت پر عمل ہو چکا۔ اب فانصب کا وقت ہے۔ لہذا علیؑ کو ہاتھوں پر بلند کر کے ارشاد کیا۔ الا من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ یہ ہے منزل ہارونی کا وارث جو فقط وزیر ہی نہ رہا بلکہ وصی ہوا۔ ولی ہوا۔ امام ہوا۔ خلیفہ ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ سورۂ الم نشرح ابتدا میں پہلی وزارت کا ذکر ہے جو دعوت ذوالعشیرہ میں پہلے ہی مل چکی تھی اور آخر میں فانصب سے مراد ولایت و خلافت تھی۔ جو بعد میں ملی اور الی ربك فارغب اپنے رب کی طرف رغبت کرو اس سے مناسب بھی یہی تھا کہ جب تک کسی کو منصوب نہ کر لو قائم مقام نہ کر لو ہماری

بارگاہ میں واپس آنے کی تمنا نہ کرو البتہ کسی کو ولی عہد کر کے ہماری بارگاہ میں آنے کی تمنا کرو یہی سیرت یہی طریقہ ہر نبی کا رہا کیا کہ جب تک کسی کی نیابت کا اعلان نہ کیا خدا کی طرف باز گشت نہ کی۔

ہر امام کے واسطے لازم تھا کہ اپنی رحلت سے قبل کسی کی جانشینی کا اعلان کر دے لہذا اپنی شہادت سے قبل امیرالمومنینؑ نے دنیا کو بتا دیا کہ حسنؑ میرے خلیفہ اور جانشین ہیں امام حسنؑ نے اپنی شہادت سے پہلے بتا دیا کہ حسینؑ میرے جانشین اور حسینؑ جب مدینہ سے رخصت ہونے لگے تو جناب ام سلمہؓ کے پاس تمام تبرکاتِ انبیاء رکھوا دیئے کہ ثانی اس سفر سے سوائے میرے فرزند زین العابدینؑ کے کوئی زندہ نہ پلٹے گا وہی میرا وصی اور جانشین ہے تمام امانتیں اسکو دیدیجئے گا اور عاشور کے دن امام حسینؑ نے وصیت نامہ لکھ کر جناب کبریٰؑ کو دیا۔ کہ جب زین العابدین کو ہوش آئے یہ وصیت نامہ انکو دیدینا حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت یہ وصیت نامہ امام حسینؑ نے دیا ہے اس وقت جناب زین العابدین بے ہوش تھے اور یہ واقعہ ہے کہ شدت مرض سے آپ زائد تر بے ہوش ہی رہتے تھے البتہ بعض اوقات ہوش میں آنا معلوم ہوتا ہے پہلے تو شبِ عاشور جس میں خود فرماتے ہیں کہ مجھ پر مرض کی شدت تھی اور میری پھوپھی میری تیمارداری میں مشغول تھیں میرے خیمے کے برابر پدر بزرگوار کا خیمہ تھا کہ یک بیک میرے پدر بزرگوار کی آواز بلند ہوئی آپ فرما رہے تھے یَا دَھْرُ اُفٍّ لَّکَ مِنْ خَلِیْلٍ کَمْ لَکَ بِالْاِشْرَاقِ وَ

وَالْخَلِیْل اے زمانہ والے ہو تجھ پر کہ تو نے کسی سے وفا نہ کی نہ معلوم تیرے کتنے دن و رات گذر گئے کہ جو اپنا حق لینے اٹھا وہ قتل ہوا۔ امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ پدر بزرگوار اپنی شہادت کی خبر دے رہے ہیں مگر میں نے صبر کیا۔ لیکن میری پھوپھی سے صبر نہ ہوا بے چین ہو کر اٹھیں اور روتی ہوئی امام حسینؑ کے خیمہ میں تشریف لائیں ارشاد فرماتی ہیں۔ یَا اَخِیْ لَیْتَ الْمَوْتَ اَعْدَمَنِی الْحَیَاۃَ۔ بھیا کاش میں مر گئی ہوتی اور آپ کی زبان سے آپ کی شہادت کی خبر نہ سنتی۔ امام حسینؑ نے سر مبارک بلند کیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ بہن صبر کرو صبر جو اللہ کی مرضی ہو اس پر صبر کرنا لازم ہے جناب زینب عرض کرتی ہیں کہ بھیا کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ صلح کر لیں ؟ امام نے ارشاد فرمایا کہ بہن اب صلح بھی ممکن نہیں۔ یہ سن کر شہزادی بے چین ہوئی ارشاد فرمایا کہ ہائے مجھ کو یہ معلوم نہ تھا کہ میرا بھائی اتنا مجبور ہو گیا ہے یہ کہہ کر اس شدت سے روئیں کہ غش آگیا۔ امام حسینؑ نے سر زانو پر رکھا شانہ ہلایا۔ بہن میری صبر کرو۔ دیکھو میرے نانا مجھ سے بہتر تھے وہ دنیا میں نہ رہے۔ میرے ماں باپ مجھ سے بہتر تھے وہ زندہ نہ رہے۔ میرے بھائی حسنؑ مجھ سے بہتر تھے وہ دنیا میں نہ رہے۔ تو زینب اگر میں نہ رہوں گا تو صبر کرنا میرے غم میں اپنا گریبان چاک نہ کرنا۔ امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ پدر بزرگوار میری پھوپھی کو بمشکل سمجھا بجھا کر میرے پاس بٹھا گئے۔ یہ ایک وقت تھا جب بیمار کو ہوش آیا اس کے بعد دوسرا وقت وہ تھا جبکہ امام حسینؑ رخصت آخر کے لئے امام زین العابدینؑ کے پاس تشریف لائے تو

سید الساجدینؑ نے آنکھیں کھولیں پھوپھی سے عرض کی کہ مجھ کو اٹھا کر بٹھا دیجئے! جناب زینب نے اٹھا کر بٹھایا اور سینہ سے لگا کر بیٹھ گئیں۔ بیمار نے سر سے پیر تک باپ کو دیکھا عرض کرتے ہیں بابا آپ سے اور بنی امیہ سے کیا ٹھہری امام نے جواب دیا نور نظر صلح نہ ہو سکی۔ صبح سے اس وقت تک جنگ ہو رہی ہے۔ بس جنگ کا نام سنتے ہی گھبرائے۔ کبھی داہنی طرف دیکھا کبھی بائیں طرف عرض کہ بابا پھر میرے چچا عباس کہاں ہیں؟ جناب زینب فرماتی ہیں کہ میں گھبرا گئی کہ دیکھوں میرے بھائی کیا جواب دیتے ہیں اگرچہ بیکس امام کیا کرتا سر جھکا کر ارشاد کیا کہ "شہید ہوئے" یہ سن کر زین العابدین بے چین ہوئے اور کہا کہ اچھا میرا بھائی قاسم؟ امام نے فرمایا وہ بھی شہید ہوئے اب بے چینی اور بڑھی۔ عرض کرتے ہیں اور میرا بھائی علی اکبر؟ امام نے ارشاد فرمایا وہ بھی شہید ہوئے۔ امام زین العابدین ایک ایک کو دریافت کرتے جاتے ہیں اور امام جواب دیتے جاتے ہیں کہ وہ بھی شہید ہوئے آخر امام حسینؑ نے ارشاد فرمایا کہ زین العابدین مختصر یہ کہ اب خیموں میں میرے اور تمہارے سوا مردوں میں کوئی نہیں ہے بس یہ سن کر سید السجاد سنبھل کر بیٹھے اور عرض کی کہ مجھ کو بھی ایک عصا اور ایک نیزہ لا دیجئے امام حسینؑ نے ارشاد فرمایا کہ نور نظر عصا اور نیزہ کیا کرو گے؟ عرض کی بابا ضعف سے سنبھلا نہیں جاتا عصا پر تکیہ کرونگا اور نیزے سے آپ کی نصرت کرونگا۔ امام حسین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا بیٹا تم بیمار ہو بیمار سے جہاد ساقط ہے زین العابدینؑ اب تم ہی میرے بعد امام خلق ہو۔ دیکھو ہم تو مرنے جاتے ہیں اب اہل حرم تیرے سپرد ہیں گھر لٹے

صبر کرنا۔ قید ہونا صبر کرنا۔ اہل حرم اسیر ہوں صبر کرنا اگر یہ گھبرائیں تو ان کو تسلی دینا۔ دلاسا دینا۔ کبھی امت کے واسطے بددعا نہ کرنا اور سید الساجدینؑ دیکھو جب قید شام سے چھٹ کر مدینہ جاؤ تو ہمارے شیعوں کو ہمارا سلام کہنا شرطِ محبت یہ ہے کہ جب کبھی ٹھنڈا پانی پینا تو ہماری پیاس ضرور یاد کر لینا۔

عزاداران حسینؑ! دنیا کی رسم ہے کہ جب کوئی بہت بڑی مصیبت پڑتی ہے اسوقت اپنے دوست یاد آتے ہیں۔ یوں تو حسین کی ہر مصیبت اتنی عظیم تھی کہ جس کی نظیر تمام عالم میں نہیں ملتی مگر تمام مصائب میں۔ خود امام حسینؑ چار مصیبتوں کو سب سے زائد سمجھتے تھے۔ ایک پیاس جس کے متعلق امام حسین نے بیمار امام سے وصیت کی کہ جب قید سے چھوٹ کر مدینہ جانا اور ہمارے دوستوں سے ملاقات ہو تو ہمارا پیغام پہنچا دینا کہ جب آب سرد پینا تو ہماری پیاس یاد کرنا اسی طرح جب جناب سکینہ باپ کی لاش سے لپٹی ہوئی رو رہی تھیں اس وقت گلو بریدہ سے آواز آتی تھی کہ شِیْعَتِیْ مَہْمَا شَرِبْتُمْ مَاءَ عَذْبٍ فَاذْکُرُوْنِیْ میرے شیعو! جب ٹھنڈا پانی پینا تو مجھ کو یاد کر لینا۔

دوسری مصیبت یہ تھی غربت و مسافرت میں بیکسی کا عالم یہ کہ کوئی سرہانے بیٹھ کر رونے والا بھی نہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اَوْ سَمِعْتُمْ بِغَرِیْبٍ اَوْ شَہِیْدٍ فَانْدُبُوْنِیْ۔ یا جب کسی غریب الوطن یا شہید کا حال سننا تو مجھ پر رونا۔

تیسری مصیبت جناب علی اصغرؑ کی شہادت تھی امام ارشاد فرماتے ہیں کہ لیتکم فی یوم عاشورا جمیعا تنظرون - میرے شیعو! کاش تم سب کے سب عاشورہ کے دن ہوتے اور دیکھ لیتے کہ میں نے اپنے بچے کے لئے کس طرح پانی مانگا اور کس طرح ان ظالموں نے جواب دیا۔

چوتھی مصیبت جس کا خاص طور پر امام نے ذکر کیا وہ پامالی ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اس تمہارے رسولؐ کا وہ نواسہ ہوں جسکو دشمنوں نے بے جرم و خطا قتل کیا اور پھر بعد قتل جان بوجھ کر پامال کیا اور یہ بھی ہے کہ میت کی توہین کرنا وہ شدید ظلم ہے کہ جس کو کافر بھی برداشت نہیں کرتا جب میدان احد میں ابوسفیان نے جناب حمزہؑ کی لاش سے بے ادبی کی اور اپنا نیزہ جناب حمزہؑ کے دہن میں رکھ کر کہا کہ او حمزہ میرے نیزے کا مزہ چکھو تو مسلمان نہیں حلبس ابن قیس کافر تھا مگر بگڑ کر بولا کہ مکہ والو ذرا ابوسفیان کو دیکھو کہ قریش کی سرداری کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر میت کی توہین کرتا ہے یہ سنکر ابوسفیان آگے بڑھا اور معافی مانگی کہ حلبس بے شک بڑی غلطی ہوئی مجھ کو معاف کردے۔ اب فرمایئے کہ جب امام زین العابدینؑ نے دیکھا ہوگا کہ میرے باپ کو قتل بھی کیا اور گھوڑوں سے پامال بھی کیا تو کیا حالت ہوئی ہوگی۔

مجلس ششم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ
الطَّاھِرِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَتَبَارَکَ فِیْ کِتَابِہِ الْمُبِیْنِ
وَھُوَ اَصْدَقُ الْقَائِلِیْنَ وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا
وَّکَرْھًا وَّظِلٰلُھُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (پارہ ۱۳ سورہ رعد رکوع ۲ آیت ۱۵)

"اپنے خاص انداز خالقیت وعظمت وجلالت کے ساتھ مالک ارض و سماء مالک آب و ہوا۔ عالم باطن وظاہر قرآن مجید میں ارشاد کرتا ہے کہ ہر وہ شخص جو آسمان میں ہے یا زمین میں ہے سجدہ کرتا ہے محض اللہ کے لئے چاہے خوشی سے سجدہ کرے اور چاہے مجبوریوں سے سجدہ کرے اور انہیں کیا موقوف ہے ان کے سائے اور پرچھائیاں تک ہر صبح وشام اسی کو سجدہ کرتی ہیں۔"

یہ وہ کلام ہے جس کی لفظیں اپنی حقیقت اور حقیقت کے لحاظ سے یہ بتا دینے کو تیار ہیں کہ انسان کا کلام نہیں خالق انسان کا کلام ہے بندے کا نہیں معبود کا بیان ہے دل کے بھیدوں سے جاہل نہیں وہ کہہ رہا ہے

جو قلب کی گہرائیوں سے واقف ہے اس میں شبہ نہیں کہ ہر وہ مخلوق جو لباس
خلق پہن کر بیٹھا اور بزم وجود میں قدسی صفات سے کر آیا، سر بسجود ہے
صرف اسی ایک اللہ کی بارگاہ میں جس کے علاوہ کوئی الٰہ برحق نہیں
اسی طرح انسانوں میں بھی جو لوگ معرفت کی بلندیوں پر پہنچے وہ بھی اپنے
رب ہی کو سجدہ کرتے ہیں مگر ہماری نگاہیں تو ہر وقت دیکھتی ہیں اور بکثرت
دیکھتی ہیں کہ انسانوں میں ایسے بھی ہیں جو کبھی بھول کر بھی خدا کو سجدہ نہیں
کرتے۔ بتوں کو سجدے ہر روز ہیں آفتاب و ماہتاب کے سامنے دست
ادب باندھے سر بسجود ہیں آگ کی پرستش دن رات ہے جانوروں کے
سامنے عجز و انکسار ہے مگر نہیں جھکے تو رب حقیقی کے سامنے اور تمام عمر میں
ایک سجدہ بھی نہیں کیا تو صرف الٰہ برحق کو۔ مگر خدا کا ارشاد ہے کہ آسمان والے
سب کے سب زمین پر بسنے والے کل کے کل سجدہ کرتے ہیں تو اسی ایک
خالق کو جو حق ہے اور جس کا اسم ذات اللہ ہے یعنی کافر، مومن، مشرک، منافق
کی کوئی تخصیص نہیں عام ارشاد کہ کوئی ہو کسی مذہب کا پیرو ہو کسی راہ کا چلنے
والا ہو مگر خوشی سے یا بجبر کسی نہ کسی صورت سے خدا ہی کو سجدہ کرتا ہے
یہ اتنا گہرا راز ہے کہ جہاں تک ہر انسان کی نظر نہیں جا سکتی۔ مشرک
بتوں کو سجدہ کریں اور ہم کہیں خدا کو سجدہ کیا۔ یہ ہماری عقل سے بلند
ہے مگر فطرت انسانی کا دیکھنے والا مزاج انسانی کو لباس وجود پہنانے والا
کمال استغنا کے ساتھ ارشاد کرتا ہے کہ سجدہ تم خدا ہی کو کرتے ہو چاہے
خوشی سے ہو اور چاہے جبر سے ہاں فرق یہ ہے کہ جو خوشی سے سجدہ کرتے

ہیں ان کو خدا کبھی نہ کبھی سربلند بھی کرے گا مگر جو بجبر سجدہ کرتے ہیں وہ اس
کے نزدیک ذلیل وخوار ہی رہیں گے۔

قرآن کا یہ ارشاد بالکل ایسا ہی ہے جیسے آیت کا بیان یسبح اللہ ما
فی السموات وما فی الارض خدا ہی کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو زمین
میں ہے یا آسمان میں من اور ما کا فرق جاننے والے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ
آیت پہلی آیت سے بہت زائد عام ہے۔ سجدہ کے بیان میں من ہے
اور من ہیں صرف ان اشیاء کے لئے آتا ہے جو صاحب عقل و فہم ہوں اور تسبیح
کے بیان میں ما ہے اور ما جاندار و بے جان سب کے لئے کہا جاتا ہے تو
معنی یہ ہوئے کہ تمام عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو
حالانکہ ہم نے دیکھی کسی بے جان کی تسبیح اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہاں پر تسبیح حالی
مراد ہے یعنی زبان نہ ہو مگر حالت بتاتی ہے کہ خدا کے موجود ہونے کی گواہی
دے رہے ہیں اپنی مخلوقیت سے اس کی خالقیت کا اشارہ کر رہے ہیں اپنی
احتیاج سے اس کے غنی ہونے کا پتہ دے رہے ہیں اپنے حدوث سے
اس کے قدیم کی تصدیق کر رہے ہیں اپنے استحکام سے اس کے حکیم
ہونے کا اقرار کر رہے ہیں یونہی جو خوشی سے سجدہ نہیں کرتے وہ اس کے
احکام کی اس کے قضا و قدر کی اطاعت کرکے سر انقیاد جھکا کے سجدہ کر
رہے ہیں غرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سجدہ کرنے کے ایک معنی ہیں خاک پر
پیشانی رکھنا اور دوسرے معنی ہیں سر اطاعت جھکا دینا بعض لوگ اپنی تنگ
نگاہی سے صرف پہلے ہی معنوں کی طرف مڑے اور کہدیا کہ اگرچہ لفظ عام ہے

مگر یہ معنی نہیں کہ ہر انسان خدا کو سجدہ کرتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ صرف اسلام کے بندے خدا کو سجدہ کرتے ہیں مگر یہ تنگ نگاہی مفہوم حقیقی سے کہیں دور ہے حقیقت یہ ہے کہ سجدہ سے مراد ہے سر اطاعت جھکا دینا اور جب یہ مراد ہے تو ماننا پڑے گا کہ آیت میں ہر مومن و کافر داخل ہے کیونکہ دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہیں جو اس کے ارادوں کو روک سکے اس کے احکام کو روک سکے اس کی مشیت کے سامنے سرتابی کر سکے خدا سے تو انکار لاکھوں نے کر دیا اور بجو غرور سے بھرا ہوا سر اس کی بارگاہ میں کبھی نہ جھکایا مگر اس کا جو حکم آیا اس کے سامنے سر اطاعت جھکانا ہی پڑا۔ اگر اس نے پیدا کر دیا تو دنیا میں آنا ہی پڑا۔ اگر دولت دیدی تو خزینہ دار دولت بننا ہی پڑا۔ اگر چادر فقر اڑھائی اس نے تو کسی نہ کسی صورت سے اوڑھنا ہی پڑی اگر مرض دیدیا تو بستر علالت آباد ہی کیا۔ اگر اپنی رحمت سے اس نے صحت دیدی تو پھر کاروبار دنیا کرنا ہی پڑا۔ اگر آغوش تربیت میں اولاد دے دی پرورش کی زحمتیں اٹھانا ہی پڑیں اور اگر یہ نعمت چھین لی تو طوعاً و کرہاً سپرد کرنا ہی پڑی ہے کوئی کافر جو خدا کے ارادے سے سرتابی کر سکا یا انکار کر سکا؟ جی نہیں کسی ایک کی یہ طاقت نہ ہوئی۔ جھکایا سر ان احکام کے سامنے اور سب نے جھکایا اور حقیقی سجدہ یہی ہے یاد رکھیں آپ کہ اصل جو کچھ ہے وہ باطن ہے۔ دل ہے۔ نیت ہے۔ اگر باطن نہ ہو تو ظاہر بے اصل ہے۔ اگر دل میں نہیں تو زبان بے حقیقت ہے اگر نیت نہیں تو تمام عبادت بالکل بے کار۔ نماز پڑھے مگر دل میں ایمان نہیں

تو قبول نہیں باطن ہیں نماز کی وقعت نہیں تو کوئی ثواب نہیں حدیث ہے کہ وہ ایمان ایمان نہیں جو زبان پر ہو اور دل میں نہ ہو تو معلوم ہوا کہ اصل جو کچھ ہے وہ باطن ہے مگر شریعت نے اعتبار کیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ظاہر کا اور ان ناز برست اعتبار کہ جب تک باطن میں ظاہر شریک نہ ہو عبادت قبول ہی نہیں ۔ مثلاً نماز جو بہترین عمل ہے قبول ہو ہی نہیں سکتی جب تک قیام نہ ہو ۔ قعود نہ ہو رکوع نہ ہو سجود نہ ہو اور صرف اس لئے کہ ظاہر باطن کی دلیل ہے قیام کی حقیقت کیا ہے ؟ خدا کی فرمانبرداری میں جم جانا ۔ مگر جس وقت تک نماز میں انسان سیدھا کھڑا نہ ہو ۔ قیام کا ظہور نہیں ہوتا رکوع کیا ہے ؟ اس کی راہ میں گردن خم کر دینا ۔ مگر اس باطن کا ظاہر ہے وہ فعل جس میں گھٹنوں تک ہاتھ پہنچ جائیں ۔ یونہی سجدہ کیا ہے ؟ اس کے ہر حکم کے سامنے سر اطاعت جھکا دینا مگر اس باطن کی تصویر ہے پیشانی خاک پر رکھنا تو یہ کیوں فرمائیے کہ آیت میں ظاہری سجدہ مراد ہے جس میں سر زمین تک پہنچ جائے یہ کیوں نہ کہئے کہ یہاں وہی حقیقی سجدہ مراد ہے جس میں سر اطاعت جھکے اور جب یہ معنی مراد لیجئے تو تخصیص کرنے کی ضرورت نہیں ۔ مومن و کافر جن و انس خالق کے اشاروں کے سامنے اس کے پر زور ارادوں کے سامنے جبر سے یا خوشی سے سر اطاعت جھکائے نظر آتے ہی ہیں یہی وہ چیز ہے جس نے ثابت کر دیا کہ کلام اس کا ہے جو ظاہر کو نہیں دیکھتا بلکہ باطن پر نظر کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ جن و انس و ملک سجدہ کرتے ہیں تو خالق ہی کو جس کے ارادے پلٹائے سے نہیں پلٹ سکتے ۔ ابھی ہم اور

آپ کیا ہیں بڑے سے بڑا کافر اور مشرک اس کے حکم کے سامنے سرنیاز خم کرتے ہی رہتے ہیں نمرود نے سرہیبت اٹھایا اپنی قوت کے سامنے خلیل خدا کی وقعت نہ سمجھا دولت و سلطنت کو ناکافی سمجھ کر منزل الوہیت کا مدعی ہوا مگر مرض آیا تو سر جھکانا ہی پڑا۔ اور جب ملک الموت کی صورت دیکھ لی تو روح تذر کرنا ہی پڑی اور آج جہنم کے سخت ترین عذاب میں ہے جس سے نجات کی کوئی صورت نہیں۔

فرعون نے غرور کی انتہا کر دی اپنی سلطنت بچانے کو ہزاروں بچے قتل کر ڈالے مگر جب اس کی مشیت جاری ہوئی تو خود موسیٰ کو گود میں پرورش کیا اپنے مٹانے والے کو اپنے محل میں رکھ کر پروان چڑھایا اور جب عذاب کا دریا ابل کر آیا تو موجوں کے سامنے سرخم ہی کیا۔ یونہی ہر ظالم۔ ہر غاصب ہر سرکش زبان سے انکار کرتا ہی رہا مگر خالق کے ارادوں کے سامنے کسی ایک کا زور نہ چلا۔ اور سب سر اطاعت جھکاتے رہے اسی لئے ارشاد ہے کہ جبر سے ہو یا خوشی سے مگر مجھ کو سجدہ کرنا ہی پڑے گا۔ جب یہ واقعہ ہے کہ کوئی انسان اس کو سجدہ کرنے سے بچ ہی نہیں سکتا۔ تو نافہمی ہے کہ ہم خوشی سے سجدہ نہ کریں۔ بجبر سجدہ کریں جس کا کوئی اجر نہیں کوئی ثواب نہیں پھر نہ خوشی سے سر جھکائیں کہ سر بلند رہیں۔

اس مقام پر عرض کر دینا ضروری ہے کہ سجدہ اور وہ سجدہ۔ جسکے واسطے خدا کا ارشاد ہے کہ تمام جن و انس، مومن و کافر خدا ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور ہر وقت ان کی پیشانیاں اسی کی بارگاہ میں جھکی رہتی ہیں۔ آیا غیر خالق کے

لئے بھی صحیح ہے یا نہیں ؟ اگر ہم خدا کے علاوہ کسی کو سجدہ کریں تو درست ہے یا نہیں ؟ یہ بحث بڑی مشکل ہے اور تعین حکم بے حد دشوار ہے تقسیم کی ہے علماء نے سجدوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سجدہ عبادت اور دوسرے سجدہ تعظیمی، ان کی صورت میں تو کوئی فرق نہیں مگر تفرقہ صرف نیت میں ہوگا کسی کو معبود سمجھ کر سجدہ اور مخلوق سمجھ کر محض تعظیم کے خیال سے سجدہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عبادت کی نیت سے خالق کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں ہو سکتا مگر تعظیمی سجدہ ہر اس شخص کے واسطے جائز ہے جو خدا کے نزدیک قابل عظمت ہو اور ان کی دلیل یہ ہے کہ آدم کو ملائکہ کا سجدہ۔ سجدہ تعظیمی ہی تھا اور یوسف کو ان کے والد اور بھائیوں کا سجدہ تعظیم ہی کی غرض سے تھا منزلت تھی جناب یوسف کی اور ابھرتی ہوئی منزلت کہ بچپن میں خواب دیکھا کہ شمس و قمر اور گیارہ ستارے مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں اور جب مدت کے بعد باپ سے ملنے کا وقت آیا تو قرآن کی آواز ہے وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا۔ اور سب کے سب یوسف کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور یوسف کو کہنا پڑا ھٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ اے پدر بزرگوار یہ میرے پچھلے خواب کی تعبیر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جب آدم کو ملائکہ نے سجدہ کیا اور یوسف کو خود جناب یعقوب نے سجدہ کیا تو سجدہ تعظیمی غیر خدا کے واسطے بھی جائز ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ سجدۂ تعظیمی کا بھی غیر خدا کے لئے جائز ہونا مشکل ہے اس لئے کہنا یہ چاہیے کہ سجدہ بہر حال صرف خدا ہی کے لئے ہے البتہ سجدہ کے لئے کبھی کوئی قبلہ معین نہیں ہوتا ہے۔ جیسے

اس وقت اگر ہم محض اظہار عبدیت کے واسطے سر سجدے میں رکھدیں تو کوئی تخصیص نہیں جس طرف چاہیں پیشانی خم کردیں یہ وہ سجدہ ہوگا جس کے واسطے قبلہ معین نہیں اور کبھی سجدے کے واسطے قبلہ معین ہوتا ہے جیسے نماز میں کہ جب تک کعبہ کی طرف نہ ہو اس وقت تک سجدہ صحیح نہیں لیکن کبھی یہ قبلہ کوئی جاندار ہوتا ہے اور کبھی بے جان جیسے ہر مسلمان کا سجدہ کعبہ کی طرف جو بے جان ہے اور جیسے ملک کا آدم کو سجدہ جو جاندار تھے یا جناب یعقوب اور ان کے فرزندوں کا سجدہ جناب یوسف کی طرف۔ مگر یاد رکھئے کہ قبلہ بنا کر بھی سجدہ صرف انہی چیزوں کی طرف جائز ہے جن کی طرف پیشانی خم کرنے کا حکم خدا نے دیا ہے اس لئے اگر کوئی بتوں کو سجدہ کرے اور محض قبلہ سمجھ کر تو بھی جائز نہیں ہے کیونکہ خدا کا حکم نہیں اور آدم کو یا کعبہ کو سجدہ جائز تھا کیونکہ حکم اسی کا تھا سر کا جھکاؤ آدم کی طرف تھا۔ مگر اطاعت حکم خالق کی تھی۔

اس مقام پر ایک بات اور عرض کردوں اور وہ یہ کہ کوئی اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ جناب یوسف کے کل بھائی متقی نہ تھے پرہیزگار نہ تھے کون ان کو نیک کہہ سکتا ہے جو حاسد ہوں کون ان کو متقی کہہ سکتا ہے جو اپنے باپ سے اور اس باپ سے جو نبی ہو جھوٹ بولیں کون ان کو نیک کہہ سکتا ہے جو یوسف ایسے بھائی کو بلا خطا تکلیف پہنچائیں اذیت دیں ماریں۔ قتل پر آمادہ ہوں آخر کوئیں میں دھکیل دیں اور جب قافلہ والے جناب یوسف کو کوئیں سے نکال لیں تو یہی بھائی یوسف کو غلام کہکر بیچ ڈالیں

ان بھائیوں کو کون نیک کہہ سکتا ہے جو اپنے باپ کو اور اس باپ کو جو پیغمبر ہو چالیس برس اس شدید رنج میں مبتلا کریں جس کی آخری حد یہ ہو کہ جناب یعقوب کی بصارت جاتی رہے ایسے بھائیوں کو کوئی نیک نہیں کہہ سکتا۔ مگر اس کے باوجود جب جناب یوسف نے بچپن میں خواب دیکھا تو ماں باپ کی مثال آفتاب و ماہتاب سے دی گئی اور انہیں بھائیوں کو ستاروں کی صورت سے پیش کیا گیا۔ جناب یوسف فرماتے ہیں اِنِّی رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُھُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ بابا نے آفتاب ماہتاب اور گیارہ ستاروں کو دیکھا کہ گویا وہ سب کے سب مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ ماں باپ تو شمس و قمر تھے اور ہر طرح مبارک سعید۔ مگر گیارہ ستارے جو بھائی تھے ان میں زائد وہ تھے جو بدکار اور کم وہ تھے جو پرہیزگار۔ تو جب معلوم ہو گیا کہ بدکاروں کی مثال بھی ستاروں سے دی جا سکتی ہے تو اگر بالفرض محال پیغمبر فرما بھی دیں کہ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ میرے اصحاب ستاروں کے مثل ہیں تو ناز نہ کیجئے ستارے بن جائیں۔ مگر وہیں گے وہی برادران یوسف جو یعقوب و یوسف دونوں کو اذیت دیں البتہ فخر ہے ان پر جو شمس و قمر بن جائیں۔

بہر حال عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ملائکہ کے سجدے ہوں آدم کیواسطے یا بھائیوں اور باپ کے سجدے ہوں یوسف کے واسطے نہ وہ سجدۂ عبادت تھے نہ سجدۂ تعظیمی تھے بلکہ سجدہ جو کچھ تھا وہ خدا کو تھا صرف رخ سجدوں کا غیر خدا کی طرف تھا جیسے ہمارے سجدے کعبہ کی طرف نہ اس لئے ہم کعبہ کو سجدہ

بلکہ خدا کو سجدہ اور خدا کے حکم کی اطاعت میں رخ کعبہ کی طرف یہی وہ سجدے ہیں جو اقرار عبدیت کے ساتھ ہوں خلوص نیت کی آمیزش ہو۔ کمال ایمان کے ساتھ ہوں۔ تو کیا کہنا ان سجدوں کا چہرے کو ضیاء بار کر دیں پیشانی کا نشان ستارہ بن جائے قرآن مدح شروع کر دے۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ان کے ایمان کا نشان ان کے جنتی ہونے کی سند ان کی پیشانیوں میں ہے۔ سجدوں کے اثر سے اس وقت بدنما ہوں مگر آخرت میں حسین ہوں گے۔ اس وقت سیاہ ہوں گے مگر حشر میں نورانی ہوں گے آج برے ہوں گے مگر قبر میں ضو فشاں۔ ۔ یہ ایسا ہوں گے جیسے کعبہ میں ہے حجر اسود۔ یا پتھر کے اندر ہیرا یا صدف کے پردے میں موتی یا غنچہ کی مٹھی میں خوشبو۔ یا سیاہ بادل میں ماہتاب یا حروف کی سیاہی میں قرآن کے معانی یونہی ایمانداروں کی پیشانی پر سجدے کا نشان۔ ظاہری صورت میں دل کش نہیں لیکن باطن کو دیکھئے تو بہت دلکش مگر یہ تمام دل کشی اسی وقت ہے جب خدا کو سجدہ ہو اور خوشی سے ہو لیکن اگر خالق حقیقی کا سجدہ نہ ہو غیر کو ہو، بتوں کو ہو۔ یا خدا کو ہو مگر جبر سے ہو تو روسیاہی ہے کلنگ کا ٹیکہ ہے جہنم کا پروانہ ہے۔

ہاں ابھی آیت میں ایک بحث اور بھی ہے صرف اتنا ہی ارشاد نہیں ہوا کہ تمام انسان تمام جن و ملک مومن و کافر خدا ہی کو سجدہ کرتے ہیں بلکہ ارشاد ہوتا ہے وظلالھم بالغدو والاصال اور ان کے سائے بھی ہر صبح و شام خدا ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔ تفسیر میں آیت کی اختلاف

ہے مفسرین کو اس آیت کے معنی سمجھنے میں دشواریاں ہیں انسان کے سائے کا خدا کو سجدہ کرنا غور و فکر کے قابل ہے مگر میرے خیال میں معنی آیت کچھ زائد دشوار نہیں۔ کوئی مجسم چیز ایسی نہیں جس کا سایہ نہ پڑے درخت ہیں تو ان میں سایہ، حیوان ہے تو اس کا سایہ۔ انسان ہے تو اس کا سایہ ادھر چاندنی نکلی ادھر سایہ پڑا، ادھر آفتاب چمکا ادھر سایہ پیدا ہوا اور ہر نور کے سامنے کوئی تاریک چیز آئی پرچھائیں پیدا ہوئی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ پرچھائیاں بے جان ہیں نافہم ہیں۔ عقل و ارادے سے خالی ہیں مگر ان کا طلوع آفتاب و ماہتاب کے ساتھ پیدا ہونا اور غروب کے ساتھ ختم ہو جانا، آفتاب کی بلندی کے ساتھ ساتھ گھٹنا اور آفتاب کی پستی کے ساتھ ساتھ بڑھنا اور ہر عالم میں زمین عبودیت پر پھیلنا اور بچھ جانا بتا رہا ہے کہ یہ سائے اسی کی اطاعت میں ہیں جو شمس و قمر کا خالق ہے اور جس نے آفتاب و ماہتاب کو حرکت دے کر سایہ کو مٹایا اور بڑھایا گویا مطلب باری یہ ہے کہ جاہل اور مغرور انسان ہمارے سامنے سر جھکانا عیب سمجھتا ہے مگر کچھ بھی قدرت ہو تو اپنے سایہ کو روک لے۔ منع کرے۔ جو انتہائی فروتنی کے ساتھ زمین پر بچھا جاتا ہے۔ ٹھوکریں کھائے یا راہروؤں کے زیر قدم آئے۔ مگر جبین نیاز اٹھاتا نہیں اسی انکسار اور اطاعت شعاری کی جزا یہ ہے کہ ہم پانی پر قدم رکھیں تو ڈوب جائیں مگر سایہ چادر آب پر کروٹیں بدلتا رہے اور دریا کی بے باک موجیں ہاتھوں پر سنبھال کر ڈوبنے نہ دیں۔ پانی برسے یا سطح آب پر کروٹیں بدلے مگر سایہ کا دامن بھیگ

نہیں آگ پر پڑجائے تو جلتا نہیں مٹی میں ہو تو گرد آلود نہیں ہوتا۔ کیچڑ ہو راہ میں تو خراب نہیں ہوتا۔ کثافت ہو کوئی تو نجس نہیں ہوتا۔ کسی کا پیر پڑجائے تو دبتا نہیں کچلتا نہیں۔ کوئی لاکھ کوشش کرے تو گرفت میں کسی کے آتا ہی نہیں۔ جب اس کی بارگاہ میں خلوص نیت کے ساتھ سر رکھ دیا تو اس نے بھی اتنا سبک کر دیا کہ نہ کسی پر سایہ کا بار پڑا اور نہ کسی کے بار سے خود گراں بار ہوا۔ ہر عیب سے دامن بچا کر گزرا اور کسی نجاست سے نجس نہ ہوا۔ ہے تو سایہ زمین پر ہی ہر چیز کا۔ مگر مجال ہے کسی کی کہ سایہ پہ پیر رکھ دے ہرگز نہیں۔ میرے سایہ پر جب کوئی پیر رکھے گا۔ تو سایہ بلند ہو کر پیر کے اوپر آجائے گا پیر کے نیچے ہرگز نہ رہے گا گویا تعلیم ہے اس کی کہ تم اگر میری بارگاہ میں سر رکھ دو تو پھر دیکھو کہ سربلندی کتنی ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ سایہ ہر وقت سائے کی طرح سائل رہ کر سر نیاز جھکانے کی تعلیم دے رہا ہے مگر اس تعلیم کی ضرورت اس کو ہے جس کو سربلندی کا خیال ہو لیکن جو شخص خود سر نیاز جھکا دے اس کو تنبیہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ شاید اسی لئے رسولؐ کے جسم میں سایہ نہ تھا کہ وہ خود ہی سجدے کے عادی تھے اور یا اس لئے سایہ نہ تھا کہ جسم میں تو سایہ ضرور ہوتا ہے مگر سایہ میں سایہ ممکن نہیں۔ ہمارے رسولؐ مجسم سایۂ رحمت باری تھے لہذا سائے کا سایہ نظر نہ آیا۔ اور یا یوں عرض کروں کہ خدا نے آپکو مجسم رحمت بنا دیا تھا۔ وَمَا اَرسَلنٰکَ اِلَّا رَحمَۃً لِّلعٰلَمِینَ اے رسولؐ تم تمام عالموں کے لئے رحمت ہو اور رحمت جسم و جسمانیت سے بری ہے اور جس میں جسم نہ ہو

اس کا سایہ نہیں پڑتا لہذا اگر رسولؐ کے سایہ ہوتا تو وہ رحمت کے حقیقی مصداق نہ ہوتے اور جب سایہ نہ پڑا تو ظاہر ہو گیا کہ رحمت کے مکمل مصداق تھے اور یا یوں عرض کروں کہ سایہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب نور کے سامنے ظلمت ہو یا کوئی تاریک چیز ہو لیکن اگر نور کے مقابلے میں نور ہو تو کبھی پرچھائیں پیدا ہوتی تو رسولؐ کے نورانی ہونے میں شبہ ہوتا۔ مگر جب آفتاب کی روشنی میں راستہ چلے۔ اور جسم رسولؐ نے سایہ نہ دیا تو قول رسولؐ چمک اٹھا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ سب سے پہلے خدا نے میرا نور خلق کیا۔ خیال ہو سکتا ہے کہ اول مخلوقات صرف ذات بابرکات محمدیؐ ہی تھی اسی لئے رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ اَنَا وَ عَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ۔ میں اور علیؑ دونوں ایک نور سے ہیں۔ اور پھر سیدہ زنان عالم کے واسطے ارشاد ہوا فاطمہؑ میرے دل کا ٹکڑا ہے پھر امام حسینؑ کے واسطے ارشاد فرمایا حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ میں حسینؑ سے ہوں اور حسینؑ مجھ سے ہیں اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ آخر میں فرمایا اَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ وَ اَوْسَطُنَا مُحَمَّدٌ وَ اٰخِرُنَا مُحَمَّدٌ وَ کُلُّنَا مُحَمَّدٌ ہمارا پہلا بھی محمدؐ ہمارا اوسط بھی محمدؐ۔ ہمارا آخر بھی محمدؐ ہم سب کے سب محمدؐ۔ تو اب جو کچھ ظلم سیدہؑ پر ہوئے وہ سب محمدؐ پر ہی تھے جو ظلم علیؑ پر ہوئے وہ سب محمدؐ پر ہوئے جو ظلم حسنؑ و حسینؑ پر ہوئے وہ سب محمدؐ پر تھے اور جب امام حسینؑ علی اکبرؑ کے واسطے فرمادیں کہ میرا یہ فرزند صورت میں سیرت میں رفتار میں گفتار میں بالکل رسولؐ سے مشابہ ہے تو میں کیوں نہ عرض کردوں کہ یزید کے لشکر نے علی اکبرؑ کو قتل نہیں کیا بلکہ رسولؐ کو شہید کیا

اسی لیئے اس شاہزادہ کی رخصت میں جو عالم امام حسینؑ کا ہوا۔ وہ کسی کی رخصت میں نہیں ہوا۔ پہلے تو یہ کہ میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا کہ امام حسینؑ نے بنی ہاشم میں سے کسی سے کہا ہو کہ اہل حرم سے رخصت ہولو مگر جب علی اکبر نے اجازتِ میدان طلب کی تو ارشاد فرمایا کہ آخری مرتبہ اہل حرم سے رخصت ہو لو۔ معلوم نہیں امام مظلوم نے نورِ نظر کو یہ حکم کیوں دیا؟ ممکن ہے اس لئے فرمایا کہ اولاد پر ماں کا بھی حق ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ماں سے اجازت لے لیں اور زینب نے بھی بڑی محنت سے پالا تھا۔ ان سے اجازت لینا بھی ضروری ہے یا اس لئے کہ آخری مرتبہ اہل حرم شبیہ رسول کی زیارت کرلیں اب دوبارہ یہ چاند سی صورت دیکھنا نصیب نہ ہوگی۔ میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ جناب علی اکبر نے ماں کو کیونکر سمجھایا۔ بہن کو گلے لگا کر کیوں کر رخصت کیا جس پھوپھی نے اٹھارہ برس محنت و مشقت سے پالا تھا اس پھوپھی سے کیونکر اجازت لی اپنے بھائی سے بھی آخری مرتبہ رخصت ہوئے یا نہیں؟ البتہ حمید ابن مسلم کہتا ہے کہ میں دیکھ رہا تھا کہ خیمہ کا پردہ اٹھتا تھا اور پھر گرتا تھا جب میں نے غور سے دیکھا تو یہ دیکھا کہ جب علی اکبر چاہتے کہ خیمہ سے باہر نکلیں تو اہل حرم لپٹ جاتے ہیں میرا خیال ہے کہ سب سے زائد سکینہ بے چین ہو ہو کے پیروں سے لپٹی ہوگی کہ بھیا اس بے کس بہن کو کس پر چھوڑتے ہو میرے بھائی اب تو چچا عباس بھی نہیں کون میرا خیال کرے گا۔ بہر حال علی اکبر نے سب کو تسلی دی، اور دلاسا دیا۔ سمجھا بجھا کر خیمہ سے نکلے باپ کی خدمت میں

حاضر ہوئے خیال رسائی نہیں کرتا تصورات کی حدیں ختم ہوجاتی ہیں کسی کی یہ مجال ہی نہیں کہ جب جوان فرزند شبیہ رسولؐ سب کو رخصت کر کے حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوگا اور عرض کی ہوگی بابا سب سے مل چکا اب آپ بھی اجازت دیں تو باپ کے دل پر کیا گزر گئی ہوگی؟ مجھ کو تو یقین ہے کہ کوئی اور ہوتا تو سنبھل نہ سکتا۔ غش کھا کر گر پڑتا۔ اور دل کی قوت سنبھال بھی لیتا تو بیٹے سے پہلے خود مرنے پر آمادہ ہوجاتا۔ کیونکہ ہر باپ کی تمنا ہوتی ہے کہ میں مرجاؤں اور میری اولاد میرا جنازہ اٹھائے مگر حسینؑ سا صابر رضائے الٰہی میں سر جھکائے ہوئے انبیاء اور مرسلین کے صبر کی حدوں سے آگے بڑھ کے جوان فرزند کو میدانِ شہادت کی اجازت دیتا ہے پہلے تو آسمان کی طرف نظر کر کے فرماتے ہیں بارالٰہا! تو گواہ رہنا کہ اب وہ جوان مرنے جاتا ہے جو صورت و سیرت میں تیرے رسولؐ کی شبیہ ہے جب ہم رسولؐ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اس جوان کی صورت دیکھ لیتے تھے اس کے بعد عمر سعد کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد کیا کہ پسر سعد خدا تیری نسل کو بھی یوں ہی قطع کرے جس طرح تو نے میری نسل قطع کی۔ اب علی اکبر نے جوش شجاعت میں گھوڑے کو ایڑ دی اور حسینؑ کلیجہ سنبھال کر گھوڑے کے پیچھے چلے۔ تھوڑی دور آگے بڑھ کے علی اکبر نے پلٹ کے دیکھا کہ ضعیف باپ پیچھے پیچھے چلا آرہا ہے۔ باگ روک کر عرض کی بابا آپ تو مجھ کو رخصت کر چکے تھے فرمایا ہاں نورِ نظر مگر دل نہیں مانتا جب تک میرا اتنا اسامنا رہے مڑ مڑ کر دیکھتا جاؤں کہ میں تیری صورت

دیکھتا رہوں۔ یقیناً ایسا ہوا ہی ہوگا کہ جب تک لشکر کی صفوں نے آرٹر نہ کر لی ہو گی علی اکبرؑ مڑمڑ کر دیکھتے رہے ہوں گے اور حسینؑ بار بار اپنے لختِ جگر کی صورت دیکھتے رہے ہوں گے مگر جب لشکر کی صفوں نے آڑ کر لی اور جنگ شروع ہو گئی تو اب کہاں موقع تھا کہ علی اکبرؑ مڑ کے دیکھیں اب تو حسینؑ دل سنبھالے ہوئے میدان میں کھڑے تھے اور شبیہ رسولؐ علیؑ کی طرح ہزاروں کے لشکر سے جنگ کر رہا تھا کہ ایک مرتبہ امام حسینؑ کی نگاہ خیمہ کی طرف اٹھ گئی دیکھا علی اکبرؑ کی ماں جناب لیلیٰ نظر جمائے ہوئے حسینؑ کے چہرے کو دیکھ رہی ہیں۔ جناب لیلیٰ نے حسینؑ کے چہرے پر تغیر دیکھا اور گھبرا کے پوچھا کہ مولا بچہ تو خیریت سے ہے؟ امام حسینؑ نے شاید چاہا کہ لیلیٰ کو در خیمہ سے ہٹا دیں اس لئے فرمایا کہ ہاں تیرا بچہ تو ابھی تک خیریت سے ہے لیکن ایک بہت بڑا پہلوان مقابلہ پر آیا ہے۔ لیلیٰ میرے نانا کی حدیث ہے کہ ماں کی دعا بچہ کے حق میں قبول ہوتی ہے جاؤ لیلیٰ خیمہ کے اندر جا کر علی اکبرؑ کے واسطے دعا کرو۔ میرا دل کہتا ہے کہ ماں نے خیمہ کے اندر جا کر سر کے بال کھولے ہوں گے بچوں کو بلایا ہوگا کہ آؤ آؤ میں دعا کروں تم سب آمین کہو ادھر ماں نے تڑپ تڑپ کے دعا کی ادھر علی اکبرؑ نے اس پہلوان کو ایک ہی وار میں فی النار کیا مگر اب دشمن چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے۔ عزادارانِ حسینؑ اغیار نے جناب عباسؑ کے جہاد کی وہ صورت نہیں بیان کی بلکہ امام حسینؑ کے جہاد کی بھی یہ شان نہیں تھی لیکن علی اکبرؑ کے جہاد کی سب نے تعریف کی ہے شاید اس لئے کہ امام نے فرمایا تھا کہ علی اکبرؑ رسولؐ کی شبیہ ہیں لہٰذا علی اکبرؑ

نے ثابت کر دیا کہ میرے جدِّ بزرگوار کی شجاعت دیکھنا ہو تو مجھ کو دیکھو تین دن کی پیاس، قیامت کی گرمی، جوانی کا عالم۔ دشمنوں کی کثرت اس عالم میں بھی ایک سو بیس آدمیوں کو قتل کیا۔ اب پیاس کی شدت ہوتی، راستہ روکنے والی فوجوں کو مار کے ہٹا دیا۔ راستہ صاف ہوا تو باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کرتے ہیں۔ زخموں کی کثرت۔ دھوپ کی شدت۔ زرہ کی گرانی مارے ڈالتی ہے بابا اگر تھوڑا پانی مل جائے تو میں دکھا دوں کہ بنی ہاشم کے جوان کیونکر لڑتے ہیں؟ اولاد والو اب تم ہی بتاؤ ذرا انصاف کرو کہ حسینؑ کے دل کی کیا حالت ہوئی ہو گی یقیناً علی اکبر کی زبان سے نکلی ہوئی العطش دل کو گرا گئی ہوں گی۔ مگر واہ رے صبر اور واہ ری ہمت اور راضی برضا الٰہی رہنے کا مظاہرہ کہ اعجاز کی قوت موجود ہونے کے باوجود بیٹے سے ارشاد کرتے ہیں کہ نورِ نظر پانی تو نہیں ممکن مگر اپنی زبان میرے منہ میں دے دو۔ علی اکبر نے زبان منہ میں دی اور فوراً زبان باہر نکال لی اور عرض کی کہ بابا آپ کی زبان تو میری زبان سے .... زیادہ خشک ہے عزادارانِ حسینؑ چاہئے تو یہ تھا کہ امام حسینؑ اپنی زبان علی اکبر کے دہن میں دیتے جیسے رسولؐ نے اپنی زبان علیؑ کے دہن میں دی تھی یا حسینؑ کے دہن میں دی تھی مگر نہیں حسینؑ نے اپنی زبان علی اکبر کے منہ نہیں دی علی اکبرؑ سے کہا کہ اپنی زبان میرے منہ میں دیدو شاید اس لئے کہ حسینؑ نے بچپنے میں سینکڑوں مرتبہ رسولؐ کی زبان چوسی تھی اور علی اکبر شبیہ رسولؐ تھے۔ لہٰذا چاہا کہ آخری مرتبہ پھر رسولؐ کی زبان منہ میں لے کے تسلی کر لوں۔ یا ممکن ہے کہ

حسینؑ کی زبان اتنی خشک تھی کہ منہ سے باہر نکال نہ سکتے تھے بہرحال اب امام نے علی اکبر کو ایک انگوٹھی دی اور فرمایا کہ نورِ نظر یہ انگوٹھی منہ میں رکھو شاید کچھ تسکین ہو جائے اب تمہارے نانا تم کو آبِ کوثر سے سیراب کریں گے علی اکبر نے انگوٹھی منہ میں رکھی دوبارہ باپ سے رخصت ہوئے میدان میں آئے شدت کی پیاس میں دوبارہ حملہ کیا اور اسی آدمی اور قتل کر دیئے آخر میں زخم بڑھنے لگے اور قوت گھٹنے لگی اس عالم میں ایک نیزہ سینہ پر پڑا اور علی اکبر گرنے لگے مگر واہ ری شجاعت واہ ری بہادری کہ گھوڑے سے گرنا گوارا نہ کیا دونوں بانہیں گھوڑے کے گلے میں ڈال دیں۔ دشمن نے مجبور پاکے چاروں طرف سے حملے کرنے شروع کر دیئے یہاں تک کہ ایک روایت میں ہے کہ علی اکبر کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اب علی اکبر زمین پر گرے اور گرتے گرتے آواز دی یا اَبَتاہ علیکَ مِنّی السّلام بابا میرا آخری سلام لیجئے بس یہ سننا تھا کہ امام حسینؑ نے دل سنبھالا۔ نورِ نظر کی تلاش میں یا علی یا علی کہتے ہوئے آگے بڑھے۔ ممکن ہے کہ علی اکبر ہی کو پکار رہے ہوں کہ نورِ نظر کہاں ہو پھر آواز دو کہ ضعیف باپ سرہانے پہنچ سکے اور یا جس طرح آپ ہر مصیبت میں علی کو پکارتے ہیں یوں ہی حسینؑ بھی پکار رہے تھے کہ بابا اب تک تو میں نے صبر کیا مگر اب مصیبت حد سے آگے بڑھ گئی آپ ہی مدد کیجئے تو دل سنبھلے بہرحال کسی نہ کسی صورت سے ضعیف باپ جوان فرزند کی لاش تک پہنچا سر اٹھا کے زانوں پر رکھا بیٹے نے آنکھیں کھول کر دل سنبھالا۔ عرض کرتے ہیں بابا سرہانے نانا کھڑے ہیں دو جام کوثر ہاتھوں پر ہیں فرماتے ہیں اے

علی اکبر ایک تیرے واسطے ہے اور ایک میرے حسینؑ کے واسطے ہے بس یہ کہتے کہتے ہچکی آئی اور بیٹے نے آخری مرتبہ باپ کی صورت دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں حسین نے فرمایا یا بنی علی الدنیا بعدک العفا۔ بیٹا تیرے بعد جینے کا مزہ نہیں اب اس زندگانی پر خاک ہے اب صبر کی آخری منزل دکھانا تھی ٹوٹی ہوئی کمر سنبھالی دل کی قوت سے کام لیا دونوں ہاتھ کمر کے نیچے دیکر جوان کی میت اٹھائی چند قدم لے کے چلے مگر اب قوت نے جواب دیدیا مجبوراً باپ نے لخت جگر کی لاش جلتی زمین پر رکھدی چاروں طرف حسرت سے دیکھا نہ کوئی دوست نظر آیا نہ عزیز نہ قاسم نہ عباس دیکھا کچھ بچے خیمہ سے نکل آئے ہیں امام حسینؑ نے آواز دی کہ اطفال بنی ہاشم آؤ اپنے بھائی کی میت لے چلو بچوں نے ہاتھ لگایا اور حسینؑ نے جوان کی میت شہداء کی لاشوں میں لاکر لٹا دی۔

مجلس ہفتم

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ـ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ـ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ ـ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَتَبَارَكَ فِیْ كِتَابِهِ الْمُبِیْنِ وَهُوَ اَصْدَقُ الْقَائِلِیْنَ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ؏

”قرآن کے آیات محکمات میں خدا کا کلام اور اپنے حبیب سے خطاب کرکے کہ اے نبیؐ تم کو زمین پر بھیجنے کی غرض یہ ہے کہ تم ایمان والوں کو جنت کی بشارت دو۔ اور جو کافر ہیں ان کو جہنم سے ڈراؤ اور ان کے اعمال کے گواہ رہو تمہاری غرض بعثت یہ ہے کہ ہماری اجازت سے ہماری طرف لوگوں کو دعوت دو اور ہم نے تم کو روشن چراغ بنایا ہے“۔

جو آیت میرا سرنامہ کلام ہے اس میں فرائض نبوت کی تفصیل ہے مگر اس لئے کہ رسولؐ نہ جانتے تھے بلکہ صرف اس لئے کہ ہم کو معلوم ہوں لیکن چونکہ ہماری ذات اس قابل نہ تھی کہ خدا کا کلام ہم سے مخاطب ہو لہٰذا ارشاد ہوا یا ایہا النبیؐ انا ارسلنٰک اے رسولؐ ہم نے تم کو بھیجا۔ یہ خیال کبھی نہ کیجئے گا

؏ پارہ ۲۲ سورہ احزاب آیت ۴۵، ۴۶

ہمارے رسولؐ کے واسطے کوئی زمانہ ایسا بھی تھا جس زمانے میں نبی نہ تھے۔ کہیے تو اتنا مان لوں کہ بعثت کے پہلے رسولؐ نہ تھے۔ مگر کوئی آن ایسی نہ تھی جس وقت خلعت نبوت زینت جسم نہ ہو۔ دیکھیے نبی وہ ذات بزرگ ہے جو مرتبۂ نبوت کی حامل ہو کبھی اس کو حکم ہوتا ہے جاؤ ان احکام کو دوسروں تک پہنچا دو اور کبھی اس کو تبلیغ کی اجازت نہیں ہوتی۔ جب تک تبلیغ کی اجازت نہ دو نبی ہوگا رسول نہ ہوگا۔ اور جب تبلیغ کی اجازت مل جائے تو نبی بھی ہوگا اور رسولؐ بھی ہوگا۔ لہٰذا خاتم النبیینؐ حامل بارِ نبوت ہمیشہ سے تھے مگر تبلیغ کرنے کی اجازت نہ تھی اور جس دن کوہِ حرا پر آواز آئی یاایہا المدثر قم فانذر۔ بس اے چادر اوڑھنے والے اٹھ اور لوگوں کو ہمارے غضب سے ڈرا۔ تو معلوم ہوا کہ یوم بعثت اظہار کا حکم ہوا رسالت ملی لیکن نبی تو آپ پہلے ہی سے تھے۔ یہ بھی نہیں کہ جوانی میں نبوت ملی۔ بلکہ بچپنہ وہ بھی نبوت کے ساتھ پیدا ہوئے تو شان نبوت دودھ پیا تو شانِ عدالت۔

اتنا تو ہر تاریخ میں ہے کہ آپ کی دایہ جناب حلیمہ کے سینہ میں دودھ اس قدر کم تھا کہ خود ان کے بچہ کو بھی کافی نہ ہوتا تھا اور رات بھر وہ بچہ بھوک کے سبب سے رویا کرتا تھا۔ لیکن جب سے رسولؐ گود میں آئے شیر کی اتنی کثرت ہوئی کہ دونوں بچے بالکل سیر ہو جاتے تھے یہ تھی شانِ عدالت کہ دوسرے کا حق لے کے نہیں پیا بلکہ اپنی طرف سے کچھ دے کے پیا۔ اوروں سے لے لینا یہ اوروں کا کام ہے اور اس گھر کا تو ہمیشہ خاصہ ہی یہ رہا کہ کبھی کسی سے کچھ

لیا نہیں اور اگر کبھی کچھ قبول کر لیا تو صرف اس لئے کہ بڑھا کے واپس کر دیں اس کے بعد یہ دوسری سمجھ کہ بائیں طرف منہ نہ لگایا۔ جب دودھ پیا تو داہنے ہی طرف سے کہ داہنا سینہ اپنے واسطے رہے اور بایاں سینہ دودھ شریک بھائی کے لئے یہ تو وہ ہے جو سب ہی نے کہا۔ مگر بعض روایتیں تو بتاتی ہیں کہ شانِ عدالت کچھ اور زیادہ تھی اور وہ یہ کہ جناب حلیمہ کے صرف بائیں سینہ میں دودھ ہوا کرتا تھا۔ اور داہنے سینہ میں دودھ ہوتا ہی نہ تھا اور شاید قدرت کا یہ خیال تھا کہ یہ بھی ذرا بے حرمتی ہے کہ کسی اور کے منہ لگائے ہوئے کو خدا کا رسولؐ منہ لگائے لہٰذا اس چشمہ کو خشک ہی کر دیا جس سے خاتم النبین سیراب ہونے والے تھے بہر حال جناب حلیمہ نے آپ کو گود میں لے لیا تو آپ کا دہن اقدس بائیں طرف پھرا تا کہ آپ دودھ نوش فرمائیں۔ لیکن آپ نے داہنی طرف کا رخ کیا۔ حلیمہ نے بائیں طرف منہ پھیر دیا پھر آپ نے داہنے سینہ کا قصد کیا جب کئی مرتبہ یہ واقعہ ہوا تو جناب حلیمہ نے داہنے سینہ سے منہ لگا دیا کہ دیکھ لیجئے اس جانب شیر ہے ہی نہیں لیکن ادھر جناب رسالتمآبؐ کا دہن اقدس حلیمہ کے سینہ سے متصل ہوا ادھر پاک و پاکیزہ دودھ جوش مار کے نکلا۔ وہاں اہتمام قدرت یہ تھا کہ جس چشمہ سے ہمارا رسولؐ سیراب ہوا سے کوئی اور بچہ منہ نہ لگا سکے اور یہ عدالتِ رسولؐ تھی کہ کسی دوسرے کی حق تلفی نہ ہو۔ دودھ پیا تو وہی جو اپنی برکت سے حاصل کیا۔ یہ ایک شانِ نبوت تھی۔ پھر اس کے بعد تو ہر ہر قدم پر جلوۂ نبوت اور آثارِ رسالت تھے۔ جس زمین پر قدم

رکھا سر سبز ہو گئی جس درخت کو چھو لیا بار آور ہو گیا جس جانور پر بیٹھ گئے وہ قوی ہو گیا جس طرف نکل گئے درختوں اور پتھروں نے سلام شروع کر دیا کبھی کھانا خود سے نہ مانگا۔ کبھی پانی طلب نہ کیا کبھی کسی نے بچپنے میں بھی برہنہ نہ دیکھا بچپنہ تھا تو کھیل کود نہیں۔ جوانی آئی تو لہو و لعب نہیں ناجائز باتوں کی طرف قدم نہ بڑھایا۔ حرام کاموں میں ہاتھ نہ ڈالا تنہا نکلے تو ملک ساتھ۔ مجمع میں چلے تو ابر ساتھ۔ گھر میں رہے تو رحمت ساتھ۔ حرم میں آئے تو عظمت ساتھ۔ تجارت کو نکلے تو برکت ساتھ اور خدا تو ہر وقت ساتھ ہی تھا نبوت کی شان و شوکت کے ساتھ رسالت کی عظمت اور جلالت کے ساتھ کل بنی ہاشم کی محبت کے ساتھ بچپنا گزرا اور جوانی آئی مگر شباب رسالت کا شباب جس طرف نکل گئے لوگ محو حال اور جس سمت سے گذر ہوا دیکھنے والوں کی نگاہیں جم کے رہ گئیں۔ ایک دن گزر رہے تھے اور اس جانب سے جہاں جناب خدیجہ کا مکان تھا جناب خدیجہ قریش کی وہ دولت مند عورت جن کے مقابلہ میں کسی کی دولت آج نہ تھی تجارت کرتی تھیں۔ اور اتنی زبردست تجارت کہ بنا بر ناسخ التواریخ کے صرف ہزار اونٹ تجارت کا مال لے جانے کے واسطے تھے قصر تھا ان کا اور عالی شان قصر اور اس کے قصر کے اوپر سبز ریشم کا خیمہ جس کی مرصع ڈوریاں کنیز و غلام باادب حاضر۔ اتفاق سے جس وقت ہمارے رسول قصر کے نیچے سے گزر رہے تھے اس وقت یہودیوں کا ایک بہت بڑا عالم جناب خدیجہ کے پاس حاضر تھا۔ جیسے ہی اس کی نظر خاتم النبیینؐ پر پڑی پہلے تو

تیور دیکھتا رہا۔ اور اس کے بعد جناب خدیجہ سے کہا کہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ
اس نوجوان کو یہاں بلاؤں؟ خدیجہ نے جواب دیا کہ ہاں بیشک ممکن ہے
یہ کہہ کے ایک کنیز کو بھیجا کہ جا کے ذرا بلا تو لا۔ کنیز خدمت رسولؐ میں
آئی اور خدیجہ کا پیغام عرض کیا جناب رسالتمآبؐ نے قبول کیا خدیجہ کے
مکان میں تشریف لے گئے لوگوں نے تعظیم و تکریم کی نہایت عزت و احترام
سے بٹھایا۔ وہ یہودی عالم قریب آیا سر سے پیر تک نظر کی۔ اس کے بعد
عرض کیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ میں آپ کی پشت مبارک کی زیارت کروں؟
یہ سن کر آپ نے اپنا پیراہن پشت مبارک سے ہٹا دیا۔ اس یہودی نے مہر
نبوت کی زیارت کی۔ تو قسم کھا کے اس نے یہ آواز دی کہ بیشک یہ مہر رسالت
ہے اور یقیناً یہ خاتم النبیینؐ ہے جناب خدیجہ نے فرمایا کہ خیریت ہوئی کہ
محمدؐ اس وقت اکیلے تھے۔ لیکن اگر ان کے ساتھ ان کا کوئی عزیز ہوتا تو تمہاری
یہ مجال نہ ہوتی کہ مہر نبوت کی زیارت کرو۔ کیونکہ ان کے چچا انہیں یہودیوں
سے بہت بچاتے ہیں۔ اس یہودی نے جواب دیا کہ ان کے واسطے کسی
حفاظت کی ضرورت نہیں خدا خود ان کا نگران ہے کسی کی مجال نہیں جو
انہیں قتل کر سکے اس کے بعد جناب رسالتمآبؐ خدیجہ کے گھر سے باہر نکلے
اور خدیجہ نے یہودی سے دریافت کیا کہ تم نے کیونکر سمجھا تھا کہ یہ پیغمبر ہے اس
عالم نے عرض کی کہ توریت میں اسی نبی کا ایک ایک خد و خال صورت و سیرت
نام و نسب دن اور تاریخ سب مذکور ہے۔ میں ان تمام خبروں کو پڑھ چکا
ہوں۔ اس لئے کہتا ہوں کہ یہی نبی ہے بس یہی دن تھا کہ جب رسولؐ کی

محبت خدیجہ کے دل میں جم گئی تمام عرب کے دولت مند خدیجہ سے عقد کی تمنا میں تھے۔ مگر آپ کسی کو منظور نہ کرتی تھیں یہاں تک کہ ایک دن جناب ابوطالب نے اپنے بھتیجے کو قریب بلایا اور کہا نورِ نظر آج کل زمانہ خراب ہے اور اخراجات کی اس قدر تنگی ہے کہ میں بھی تکلیف میں ہوں اور تم بھی زحمت میں ہو تو کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ میں خدیجہ سے جا کر کہوں کہ جس طرح وہ اپنی تجارت کا مال اوروں کو دیتی ہیں اسی طرح تم کو بھی دیں اور اس سے جو نفع حاصل ہو وہ ہماری تنگ دستی دور کرنے کا ذریعہ ہو جناب رسالت مآب نے ارشاد فرمایا کہ چچا جو کچھ آپ نے فرمایا وہ سب مناسب ہے میں بسر و چشم موجود ہوں۔ یہ سن کر جناب ابوطالب اٹھے لباس پہنا۔ جناب عباس اور جناب حمزہ وغیرہ کو ساتھ لیا۔ پہنچے جناب خدیجہ کے دروازہ پر۔ اس وقت وہ معظمہ دل ہی دل میں حبیب خدا کو یاد کر رہی تھیں کہ یکایک کسی نے دق الباب کیا۔ کنیز کو حکم دیا کہ دیکھے کون ہے۔ گئی کنیز اور آ کے عرض کی کہ اے محترمہ سردارانِ بنی ہاشم سیدانِ عرب ابوطالب اور ان کے اعزا دروازہ پر ہیں۔ یہ سن کر جناب خدیجہ خوش ہو گئیں۔ اپنے غلام میسرہ کو بلایا فرمایا جا، جا کر تمام مہمانوں کو عزت و احترام سے بٹھا سب کے واسطے دعوت کا انتظام کر۔ میسرہ آیا جناب ابوطالب کو ساتھ لے کر داخل خانہ ہوا۔ صدر میں سب کو جگہ دی۔ عزت و احترام سے بٹھایا۔ طرح طرح کے میوہ اور شربت حاضر کئے۔ جناب خدیجہ پسِ پردہ آ کر بیٹھ گئیں دریافت کیا کہ اے مجاورینِ حرم اور اے سردارانِ عرب و عجم آج کیا میری خوش قسمتی

تھی کہ آپ نے میرے غریب خانہ کو سرفراز فرمایا جناب ابو طالب نے کہا کہ
خدیجہ کام تو تمہارا ہے مگر فائدہ اس میں تمہارا بھی ہے ہم چاہتے ہیں کہ
جس طرح تم اپنا مالِ تجارت اوروں کو دیتی ہو اسی طرح میرے بھتیجے محمدؐ کو
بھی دو۔ تمہاری طرف سے تجارت کرے اور انشاء اللہ تم اس کو بہترین امانتدار
پاؤگی اس وقت میرے بھتیجے کی امانت و دیانت و صداقت و فہم و فراست
پر تمام مکہ گواہ ہے یہ سن کر جناب خدیجہ کا دل بے چین ہوگیا۔ لیکن جب نگاہ
اٹھا کے دیکھا تو نورِ نگاہِ عالم خدیجہ کی نگاہوں کو ڈھونڈنے کے بعد بھی
نہ ملا۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ ابو طالب میں تمہاری فرمائش کی تعمیل
کے واسطے موجود ہوں۔ لیکن چاہتی ہوں محمدؐ کی زبان سے خود انکی خواہش
کو سنوں اور جو باتیں دریافت طلب ہیں وہ معلوم کرلوں۔ یہ سنکر جناب
عباس اپنی جگہ سے اٹھے۔ گھر میں نہ پایا۔ حرم میں نہ ملے شہر میں کہیں نظر
نہ آئے۔ آخر مکہ سے باہر نکلے پہاڑوں کے دامن میں آئے دیکھا وہی پتھر جس
پر جناب ابراہیم علیہ السلام آرام کیا کرتے تھے وارثِ ابراہیم کا فرش
ہے اور اس پتھر پر آرام فرما رہے ہیں۔ لیکن اس طرح کہ مہیب ناگ اژدہا
سرہانے ہے اور مرچھل کی جگہ پھولوں کا گلدستہ منہ میں لئے ہوئے مگس
رانی کر رہا ہے یہ دیکھ کر جناب عباس گھبرائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے
بھتیجے کو اذیت دے فوراً تلوار کمر سے نکالی اور چاہا کہ اژدہے پر حملہ کریں
اژدہا بھی سنبھل کے مقابلہ میں آیا اور جناب عباس پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی
کہ گھبرا کے رسالتمآبؐ کو آواز دی کہ نورِ نظر اٹھو اور اپنے چچا کی مدد کرو

اس آواز سے جناب رسالتمآبؐ کی آنکھ کھلی جیسے ہی آپ بیدار ہوئے فوراً اژدہا غائب ہو گیا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جناب عباس تلوار ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں۔ فرمایا چچا کیا واقعہ ہے۔ جناب عباس نے کل حالت بیان کی فرمایا چچا ڈریئے نہیں وہ دشمن نہ تھا۔ دوست تھا اژدہا نہ تھا ملک تھا۔ وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہتا ہے میری حفاظت کرتا ہے۔ اور اکثر مجھ سے باتیں کیا کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے۔ یہ تھی شانِ نبوت قبل بعثت۔ موسیٰ کی شان کہ اژدہا دیکھ کے خوف آیا یہ خاتم النبیینؐ کہ اژدہے نے میز کے جنبانی کی تو نیند آ گئی موسیٰ کے دل کی کمزوری انہیں مبارک اور ہمارے رسول کی قوت دل ہمارے لئے یہی قوی دل رسول تھا جس کے وصی نے گہوارہ میں اژدہے کے کلے چیرے اور اسی نبی کا قوت بازو تھا۔ جو شب ہجرت سو کر رہا یعنی یہ رسول کی شان کہ اژدہے کے حلقہ میں آرام کیا اور وہ وصی کی شان کہ تلواروں کے سایہ میں نیند آئی۔

بہرحال خاتم النبیینؐ جناب عباس کے ساتھ جناب خدیجہ کے مکان کی طرف روانہ ہونے لگے مگر پیشانی کا نور خانۂ خدیجہ میں آپ سے پہلے پہنچا اور اور اس حد پر مکان روشن ہوا کہ خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ کو بلا کے ارشاد کیا کہ میں نے تجھ سے تاکید کر دی تھی کہ پردہ برابر کر دینا تاکہ دھوپ نہ آئے مگر معلوم ہوتا ہے کہ تو نے پردہ برابر نہیں کیا ہے۔ میسرہ نے دست ادب باندھ کے عرض کی کہ نہیں پردہ میں نے سب برابر کر دیئے معلوم نہیں یہ شعاع

کا ہے کی ہے یہ کہہ کر میسرہ باہر نکلا اور فوراً پلٹ کے خدمت خدیجہ میں عرض کی کہ یہ روشنی دھوپ کی نہیں ہے بلکہ ابوطالب کے بھتیجے محمدؐ آرہے ہیں یہ ان کے چہرے کا نور ہے جس نے تمام گھر روشن کر دیا ابھی یہ تذکرہ ہو ہی رہا تھا کہ خاتم النبیینؐ گھر کے اندر داخل ہوئے اور تمام مکان چہرے کے نور سے چمک اٹھا۔ ابوطالب بھتیجے کی تعظیم کو اٹھے۔ نورِ نگاہ کو وسط میں جگہ دی لختِ دل کو صدر میں بٹھایا جناب خدیجہ پردہ کے قریب آئیں تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد شرائط تجارت پیش کئے تمام معاملات طے ہو گئے تو مال تجارت سپرد کیا۔

خدیجہ خیمہ سے دیکھ رہی ہیں اور رسالت مآبؐ سامان سفر بار کر رہے ہیں جب ناقہ کے قریب آئے وہ گھٹنے توڑ کے زمین پر بیٹھا سر حضرت کے پیروں پر رکھا آپ نے غلاموں کی مدد سے تمام اسباب بار کیا مگر سامان بہت تھا ہر چند روانگی میں جلدی کی مگر پھر بھی دھوپ تیز ہو گئی اور پیشانی پہ پسینہ کے قطرے آگئے جناب عباس نے چاہا کہ سایہ کا انتظام کریں۔ کہ بھتیجے کو اذیت نہ ہو ابھی یہ اسی فکر میں تھے کہ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا چلا اور اسی کے ساتھ ابر کا خوش منظر ٹکڑا رسولؐ کے سر مبارک پر آکے رکا جناب عباس مسکرا دیئے اور فرمایا نورِ نظر تجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں خدا تیرا معین ہے سنا آپ نے جناب عباس چاہتے تھے میں سایہ کروں اور خدا نے چاہا کہ میں سایہ کروں اگرچہ عباس چچا تھے مگر قدرت نے یہ بھی چاہا کہ چچا سایہ کی تدبیر کریں لہٰذا خود انتظام کو قدم بڑھایا اور سچ بھی ہے

رسول رحمت اور رحمت وہ جس کے سایہ میں تمام عالم ہو پھر اس کے اوپر کون سایہ کرے اس پر تو سایۂ رحمت ہی تھا اور دنیا پھر اس کا سایہ پڑا جس نے دوش پر قدم رکھے اور وہ بھی کوئی غیر نہ تھا نفس اللہ کا مصداق تھا تو رحمت پر سایہ رحمت ہی تھا۔

بہر حال تمام قافلہ روانہ ہوا۔ اور ابر کا سایہ ساتھ رہا جس راستے سے ہو کر گزرے صحرا میں برکت پھیل گئی چشموں پر آئے تو ابلنے لگے جنگل سے نکلے تو سبز ہوا پہاڑوں سے گزرے تو پہاڑ نے سلام کیا درختوں کے پاس بیٹھے تو پھل نکلے پانی ملا تو راستہ بنایا اژدہا ملا تو باتیں کیں درندے ملے تو سربسجود پانی نہ ملا تو دست مبارک ریت میں ڈالا اور ہر انگلی سے چشمہ ابلا راہب کے دیر کے قریب پہنچے تو اپنا کلمہ پڑھوا کے چلے یونہی سفر ختم ہوا اور شام کا سواد نظر آیا تو نور نے رات کو دن بنایا قافلہ کے آنے کی خبر ہوئی لوگوں نے آ کے گھیر لیا مال بکنا شروع ہوا جتنے تاجر قافلہ میں تھے ان سب کا مال نفع سے بکا اور قدم رسول کی برکت تھی کہ ایک ہی دن میں تمام تاجروں کا مال فروخت ہو گیا اور بے حد نفع سے فروخت ہوا لیکن خود آپ نے اپنا مال کچھ بھی نہ بیچا یہاں تک کہ تمام اہل شہر اپنے اپنے ضرورت کی چیزیں خرید خرید کے واپس ہو گئے اب نہ کوئی خریدار رہا اور نہ کسی تاجر کے پاس مال رہا۔ ابوجہل اس قافلہ میں موجود تھا اور اسے ہمیشہ سے جناب رسالتمآب سے عداوت تھی۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ خریدار اب کوئی نہیں اور جناب رسالتمآبؐ کا اسباب سب رکھا ہوا ہے تو بہت خوش ہوا۔ کہ جب تمام مال یونہی واپس جائے گا تو

خدیجہ بہت ناراض ہوں گی۔ اسی خوشی میں اس نے شب گزاری اور ہمارا رسول بالکل مطمئن رات گزار کے صبح ہوئی اور باہر کے قافلے آنے شروع ہوئے پھر خریداروں کی کثرت ہوئی اور اب سوائے آپ کے مال تجارت کسی تاجر کے پاس نہیں یہاں تک کہ تمام اسباب فروخت ہو گیا اور جسقدر اور تاجروں کو فائدہ ہوا تھا اس سے دونا نفع رسول کو ہوا۔ دیکھا آپ نے یہ انصاف کا طرز تھا۔ اور یہ ایثار کی شان تھی یا تو فرمایئے ایثار یہ تھا کہ دوسرے تاجروں کو اپنی تجارت پر مقدم کر دیا کہ کسی کی خاطر شکنی نہ ہو۔ اور یا انتہائی توکل کی نمائش تھی کہ تم سب اپنا نفع پہلے کر لو پھر میرے مال کا بھی خدا ہے اور یا انتہائی معاملہ فہمی تھی جس نے آخر میں بے حد نفع دیا۔ جس کو ایسا امین ملے اسکی تجارت کا کیا کہنا۔ جناب خدیجہ کو مبارک ہو کہ ایسا امین ہاتھ لگا ہے کہ نفع کی کوئی حد نہ رہی تو آیئے ہم بھی اپنی تجارت اس امین کے سپرد کر دیں چاہئے تو اپنا مال دیجئے اور چاہئے تو اپنا نفس بیچ ڈالئے مگر رسول کے ذریعہ سے تجارت کیجئے پھر دیکھئے کہ قیمت کتنی ملتی ہے۔

بس علیؑ نے تجارت یونہی کی نفس اپنا رسولؐ کو دیا کہ جس طرح چاہے۔ بیچ ڈالئے اور رسولؐ نے اپنے گھر کو بازار بنایا اپنے بستر پر اس مال کی نمائش کی اپنی چادر کا پردہ ڈالا جب یوں سجاوٹیں مکمل ہوئیں اس وقت قیمت ہیں رضائے الٰہی۔ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ

بہر حال انتہائی کامیابی اور نفع کے ساتھ تاجروں کا قافلہ مکہ کی طرف چلا چند فرسخ راہ باقی تھی کہ ہر شخص نے اپنا اپنا ایک نمائندہ مکہ کی طرف بھیجا کہ قافلہ

کی سلامتی کی بشارت سنائے یہاں خود رسالت مآب جنس نفیس چلے کہ خدیجہ کو مبارک باد دیں خدیجہ اپنے مکان کی چھت پر ریشمی خیمہ کے سایہ میں کنیزوں کے جھرمٹ میں بیٹھی تھیں کہ راستہ کی طرف نگاہ اٹھی دیکھا ایک سوار صحرا کی طرف سے یوں آرہا ہے کہ زمین پیروں کے نیچے لپٹ رہی ہے۔ اور بالائے سر یاقوت سرخ کا قبہ ہے جس میں سچے موتیوں کی لڑیاں ہیں چہرے کے نور سے تمام جنگل چمک رہا ہے جب خدیجہ کی نظر اس سوار پر پڑی تمام پاس والوں سے پلٹ کے فرمایا کہ ذرا غور سے دیکھو میری ہی نگاہ دھوکا دے رہی ہے یا تم کو بھی کوئی سوار نظر آتا ہے سب نے عرض کی ہاں سوار بھی ہے اور زمین سے آسمان تک نور بھی ہے جناب خدیجہ نے فرمایا کہ یہ تو میں پہچان گئی کہ ناقہ تو یہ میرا ہی ہے اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ سوار بھی اس کا محمد ہے کوئی اور نہیں۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ناقہ خدیجہ کے دروازے پر رکا اور وہ قبہ نورانی نگاہوں سے غائب کنیزوں نے بڑھ کے دروازہ کھولا اور جناب رسالت مآب خدیجہ کے گھر میں داخل ہوئے۔ پردہ کی آڑ میں خدیجہ بیٹھیں تمام حالات سفر پوچھے دل کو خوشی انتہائی ہوئی تجارت کی کامیابی کا حال سن کے عرض کی کہ اس کی تو کوئی مسرت نہیں ہاں خوشی ہوئی اس کی آپ کی زیارت کا شرف ملا مگر میرے دل کی تمنا یہ ہے کہ اب آپ یہاں سے واپس جائیں اور قافلہ کے ساتھ داخل مکہ ہوں۔ غرض خدیجہ کے یہ تھی اپنا شبہ مٹالیں کہ قبہ نور انہیں کے ساتھ تھا؟۔

بہر حال جناب رسالتمآب خانہ خدیجہ سے باہر نکلے اور ناقہ نے قدم بڑھایا

ابر رحمت نے سایہ کیا اور رسولؐ کی سواری تیزی سے چلی زمین پیروں کے نیچے لپٹی اور کل دو ساعت میں کئی فرسخ راہ ختم ہوگئی جب قافلہ میں واپس آئے تو کل دو ساعتیں گزری تھیں کہ گئے بھی اسی عرصہ میں اور واپس بھی آئے تعجب تھا لوگوں کو اور بہت تعجب مگر آج کی سرعت بتاتی تھی کہ جب خدیجہ کی طرف اس تیزی سے پہنچے اور زمین کی راہیں یوں گزر گئیں تو جس وقت خدا کی طرف جائیں گے تو تیزی کی حالت انتہائی ہوگی یہ زمین کا سفر تھا وہ آسمان کا سفر یہ یہاں کی راہیں تھیں وہ وہاں کی راہیں ادھر خدیجہ کے دل کی کشش تھی ادھر خدا کے حکم کی کشش یہ زمین کی معراج تھی وہ آسمان کی معراج تھی

بہر حال جناب رسالتمآبؐ قافلہ کے ساتھ سفر کی منزلیں طے کر کے داخل مکہ ہوئے رسولؐ اپنے گھر میں تشریف آئے غسل کیا لباس بدلا خوشبو لگائی اور جناب خدیجہ کے گھر میں آئے خدیجہ نے انتہائی محبت و احترام کیا ساتھ بٹھایا خود پس پردہ بیٹھیں تمام حالات سفر تفصیل سے پوچھے بعد اظہار مسرت کیا اس کے بعد عرض کی کہ جو تمہاری آرزو ہو میں اس کے مطابق عمل کرنے کو تیار ہوں یہ سنکر جناب رسالتمآبؐ نے سر جھکایا شرم کی سرخی چہرے پر دوڑی جناب خدیجہ نے فرمایا کہ اے سید و سردار عرب اچھا یہ فرمایئے کہ جو کچھ مال دنیا میں آپ کو اس تجارت کے عوض میں دونگی وہ آپ کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو اپنے چچا ابو طالب سے عرض کی تھی کہ یہ تمام مال آپ کا ہے مگر وہ فرماتے ہیں کہ نہیں میں اس مال سے تمہارے واسطے دو ناقے خرید و نگا کہ تم ان ناقوں کے ذریعے سے تجارت کرنا یہ فرما کے آپ نے سر جھکایا اور اس کے بعد فرمایا کہ میرے

بچا یہ بھی فرماتے تھے کہ ناقہ کی خریداری کے بعد جو کچھ مال بچے گا اس سے میرا عقد کسی میری ہی ہم قوم عورت سے کر دیں گے یہ سن کر جناب خدیجہ نے عرض کی کہ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کے لئے ایک ایسی عورت سے خطبہ کر دوں جو جود و سخاوت صورت و سیرت دولت و ثروت عفت و طہارت میں تمام عرب میں اپنا نظیر نہ رکھتی ہو پھر آپ ہی کے قوم قبیلہ سے بھی ہو یہ سن کر آپ نے شرم سے سر جھکایا۔ جبین انور سے پسینہ کے قطرہ موتیوں کی طرح ٹپک پڑے فرمایا خدیجہ میں تمہارے انتخاب پر راضی تو ہوں مگر جب تک میرے بزرگ منظور نہ کریں میں کچھ نہیں کہہ سکتا یہ کہہ کے جناب خدیجہ سے رخصت ہوئے۔ ابو طالب کے پاس پہنچے وقت وہ تھا کہ تمام بنی ہاشم ابو طالب کے گھر میں موجود تھے جناب رسالت مآب سر جھکا کے بیٹھ گئے جناب ابو طالب نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا کیوں نور نظر خاموش کیوں ہو۔ عرض کی چچا اگر آپ منظور کریں تو ایک التجا ہے فرمایا بیٹا جو تیری آرزو ہو میں اسے پورا کرنے کیواسطے بسر و چشم موجود ہوں عرض کی چچا میں چاہتا ہوں آپ حضرت خدیجہ کے والد خویلد کے پاس جائیں اور میری نسبت خدیجہ کے واسطے پیش کریں یہ سننا تھا کہ تمام مجمع میں سناٹا چھا گیا سب سے پہلے ابو لہب بولا کہ یہ خیال خام ہے خدیجہ نے بڑے بڑے دولت مند سرداران عرب یہاں تک بادشاہوں تک کی نسبتیں تو رد کر دیں بھلا تمہاری اس کی کیا برابری کہ وہ تمہیں منظور کرے گی۔ یہ سن کر عباس بگڑ گئے اور کہا ابو لہب بس خاموش رہ وہ کون ہے

اس وقت عالم میں جو محمدؐ کی برابری کرے حسن و جمال صورت و سیرت فضل و
شرف حسب و نسب ہر بات میں تمام اہل عالم سے بہتر ہے اب رہا مال تو
بیشک خدیجہ مالدار ہیں اور میرا بھتیجا مفلس ہے لیکن ہماری دولتیں کس کی ہیں ہم سب کے
پاس جو کچھ ہے وہ سب محمدؐ کا مال ہے یہ کہہ کر تمام بنی ہاشم اٹھے لباس
پہنے تلواریں لگائیں خویلد کے پاس آئے خویلد نے تعظیم و تکریم کی صدر مجلس میں
جگہ دی لوازم مہمانداری ادا کرنے کے بعد آنے کا سبب دریافت کیا جناب
ابو طالب نے وجہ بتائی خویلد نے جواب دیا کہ مجھ کو خدیجہ کا اختیار نہیں وہ خود صاحب
عقل و فہم ہے لیکن جانتا ہوں کہ جب اس نے بادشاہوں کے پیغام رد کر دیئے
تو آپ کے نسبت کیا منظور کرے گی؟ یہ سن کر بنی ہاشم کو غصہ آ گیا اور جناب
حمزہ سخت جواب دے کے خویلد کی بزم سے باہر نکلے یہ خبر خدیجہ کو ہوئی انتہائی
رنج و ملال ہوا۔ اور اپنے چچا زاد بھائی ورقہ ابن نوفل کو بلایا جو بہت بڑے
نصاریٰ کے عالم تھے جب ورقہ آئے تو دیکھا کہ چہرہ خدیجہ کا متغیر ہے پوچھا خدیجہ
غمگین کیوں ہو؟ فرمایا کیونکر غمگین نہ ہوں کہ نہ کوئی میرا سرپرست ہے نہ مونس
تنہائی ہے۔ ورقہ نے عرض کی کہ پھر تمہاری تمنا تو بڑے بڑے بادشاہوں کو ہے
مگر تم منظور ہی نہیں کرتیں۔ فرمایا ہاں مگر میں چاہتی تھی کہ مکہ سے باہر نہ جاؤں
کہا اچھا پھر مکہ کے رؤسا میں عقبہ، ابوجہل، صلت یہ تمام دولت مند لوگ
تمہارے خواستگار ہیں ان میں سے جس کو چاہو اختیار کر لو۔ فرمایا یہ سب
لوگ گمراہ ہیں میں ان سے کسی کو پسند نہیں کرتی کوئی شخص تمہاری نگاہ
میں ہو تو پیش کرو۔ یہ سن کر ورقہ نے کہا کہ سنا ہے محمد ابن عبداللہ بھی تم سے

نسبت چاہتے ہیں۔ فرمایا ہاں ان کی نسبت قبول کر لینے کے قابل ہے مگر ورقہ تم مرد ہو اس واسطے تم کو بلایا ہے کہ اگر محمدؐ میں کوئی عیب ہو تو اس سے مجھ کو باخبر کر دو یہ سن کر ورقہ نے کہا جس قدر ان میں عیب ہیں وہ سب بتائے دیتا ہوں سنو۔

اصلہ اصیلٌ وفرعہ طویلٌ وطرفہ کحیلٌ وخلقہ جمیلٌ وفضلہ عمیمٌ وجودہ عظیمٌ سنو خدیجہ نسب ان کا بے نظیر کنبہ ان کا بے مثل ہے آنکھیں ان کی سرمگیں ہیں اخلاق ان کے عمدہ ہیں فضل انکا عام سخاوت ان کی عظیم ہے خدیجہ نے کہا کہ بھائی یہ تو سب ان کے فضائل ہیں میں کہتی ہوں اگر کوئی عیب ہے تو بتا دیجئے کہا ہاں میں بھول گیا۔ اچھا ان کا عیب سنو وہ حسین ہے جس کا مثل نہیں اور وہ صاحب نسب ہے جس کا جواب نہیں اس کی سیرت عالم سے بہتر اس کا باطن ظاہر سے افضل زلفیں شب دیجور اس کی پیشانی پر نور اس کے رخسار گلاب سے بہتر اس کی خوشبو مشک سے افضل اور باتیں شہد سے شیریں تر ہیں خدیجہ نے کہا یہ تو تم فضائل ہی بیان کر رہے ہو کوئی عیب بتاؤ۔ کہا سنو۔

وجبہۃ اقمر وجبینہ ازھر وطرفہ احور وریحہ اذکیٰ من المسک الاذفر ولفظہ احلےٰ من السکر واذا امشیٰ فانہ السبر ازبرد والوبل اذمطر اس کا چہرہ آفتاب کی نظیر اس کی شان ماہ منیر اس کی آنکھیں چشم بد دور اس کی خوشبو مشک و کافور اس کا کلام سحر حلال اس کی چال ماہتاب کی چال یہ سن کر خدیجہ نے پھر کہا کہ تم تو فضائل

ہی بیان کر رہے ہو۔ ورقہ نے جواب دیا کہ میری کیا مجال کہ جو میں ان کے فضائل بیان کر سکوں۔ یہ ادنیٰ تذکرہ تھا ان صفات کا جو ذات محمدؐ میں موجود ہیں جناب خدیجہ نے کہا کہ ورقہ جب یہ صورت ہے تو میں سوائے محمدؐ کے کسی اور سے نکاح نہ کروں گی۔ ورقہ نے جواب دیا کہ خدیجہ اگر یہ ارادہ ہے تو سن لو کہ وہی محمدؐ جس کی تم تمنا میں ہو چند ہی دن میں رسول ہو گا اور تمام دنیا اسکی اطاعت میں ہو گی لیکن یہ بتاؤ کہ اگر آج ہی میں تمہارا نکاح محمدؐ سے کرا دوں تو مجھ کو کیا انعام دو گی؟ فرمایا ورقہ تمام مال موجود ہے جو چاہو لے لینا۔

کہا نہیں مال و متاع کچھ نہیں چاہتا۔

فرمایا پھر کیا؟

کہا خدیجہ میں جانتا ہوں کہ شفیع محشر تیرے شوہر کے سوا کوئی اور نہ ہو گا

لہٰذا بس یہ چاہتا ہوں کہ میری سفارش کر دینا۔

کہا ورقہ میں ضامن ہوں کہ شفاعت کرا دوں گی۔

یہ سن کر ورقہ خوش ہوا جلدی جلدی خویلد کے پاس آیا سمجھا بجھا کر خویلد کو راضی کیا اور اسے ساتھ لئے ہوئے ابو طالب کے پاس آیا انکار کرنے کی معذرت کی نسبت منظور کرنے کی خوشخبری سنائی تمام بنی ہاشم خوش ہو گئے عقد کی تاریخ مقرر ہوئی خدیجہ کا مکان آراستہ کیا گیا جواہر نگار کرسیاں بچھائی گئیں اسی زریں کمر غلام خدمت کرنے کو آمادہ ہوئے ہر قسم کے میوہ اور شربت دعوت کو حاضر آراستہ تھی مجلس اور انتہائی زینت کے ساتھ اور تمام لوگ منتظر تھے کہ دیکھیں سردار بنی ہاشم فخر عرب شرف نسل ابراہیم کس شان سے

آتا ہے۔ یکایک سب کی نگاہیں بلند ہو گئیں۔ دیکھا آرہے ہیں رسول اُدھر
اس شان سے کہ سیاہ عمامہ سر کے اوپر عبدالمطلب کی قبا زیب بدن الیاس کی عبا
دوش کے اوپر نعلین عبدالمطلب پائے مبارک میں ابراہیم کا عصا دست مبارک
میں عقیق سرخ کی انگوٹھی انگشت مبارک میں چہرہ کا نور جلوہ فگن سر کے
اوپر ابر کا سایہ نور کی بارش چاروں طرف گرد بنی ہاشم کا حلقہ جناب حمزہ برہنہ
تلوار لئے آگے آگے اور تمام اکابرین قریش ساتھ ساتھ ادھر کا یہ عالم۔ اُدھر
عرش و کرسی حرکت میں تمام ملائکہ شکر کے سجدوں میں حوریں زیب و زینت
کے ساتھ جنت کمال آرائش میں جبریل امین نے خدائے جلیل کے حکم سے احمد
کی شادی میں رایت حمد کعبہ پر لگایا تمام پہاڑوں سے تسبیح کے نغمے تمام درختوں
سے سلام کی آواز بزم احباب میں درود کی صدائیں۔

آئے رسول اس شان و شوکت کے ساتھ اور گھر میں خدیجہ کے داخل ہوئے
انتہائی تعظیم و تکریم ہوئی بہترین مہمان نوازی ہوئی۔ آخر ابوطالب نے انتہائی فصاحت
بلاغت کے ساتھ حمد ثنائے الٰہی کی اور پھر نکاح کے صیغہ پڑھے گئے اور
چار سو اشرفی مہر پر عقد رسول خدیجہ سے ہوا مگر ابھی رخصتی باقی تھی اُدھر
بنی ہاشم تیاری میں تھے۔ ادھر خدیجہ انتظام میں حضرت خدیجہ نے اتنا اہتمام کیا کہ چھ
مہینہ کامل انتظام میں گزر گئے جب تمام انتظام ہو چکا تو رخصتی کے واسطے
تمام بنی ہاشم خدیجہ کے گھر میں آئے یہاں کی آرائش دید کے قابل بقدر آدم
موی شمعیں تمام دیواروں پر حریر و دیبا کے پردے تمام بزم میں مرصع کرسیاں
رسول کے واسطے جواہر نگار تخت کئی غلام سونے اور چاندی کے پنکھے لئے

ہوئے بعض کے ہاتھوں میں انگیٹھیاں جن میں عود و عنبر سلگتا ہوا تمام کنیزوں کے ریشمی لباس۔ گلوں میں سونے کے گلوبند۔ بالوں میں موتی پڑے ہوئے پھر آپ ہی خیال کریں کہ جس کی کنیزوں کے بالوں میں موتیوں کی لڑیاں ہوں اس عورت کا زیور، لباس خود کیسا ہوگا وہ زیور اور وہ لباس جو عرب کی نگاہوں نے نہ دیکھا تھا جسم خدیجہ کی زینت تھا جب تمام رسومِ عرب ختم ہو چکے تو جناب صفیہ نے خدیجہ کو لا کے رسول کے پاس بٹھایا اور عروسی کی تقریب ختم ہوئی رسول کی شادی خدیجہ سے اور خدیجہ کی مسرت کی حد نہیں کیونکہ رسول سے محبت دل میں تھی اور اسکی محبت تھی جو محبوب قلب ایمان۔ جو مطلوب نگاہِ اسلام جو نورِ نگاہِ آدم و ابراہیم جو سرورِ قلب جنت نعیم حدیہ ہے کہ خدیجہ کا محبوب وہی تھا جو حبیبِ خدا پہلے بن چکا تھا اور بھی وہ گھر ان ہے جسے شادی کی مسرت ہوئی نہ ہو لہذا خدیجہ خوش رسول خوش بنی ہاشم خوش آج ملائکہ مسرور خدا راضی۔ فرحت و سرور میں زمین و آسمان ایک تھے شادی تھی اور رسول کی شادی مگر اس شادی سے مسرت نہ ہوئی رسول کی شادی کا ذکر ہو اور میں خوش نہ ہوں۔

ہاں جناب میں خوش نہیں اگر آج محرم کی ساتویں نہ ہوتی تو میری خوشی کی حد نہ ہوتی مگر ہفتم محرم نے دل توڑ دیا ہے کہیے تو رسول کی شادی کی خوشی کروں اور کہیے تو قاسم کی عروسی کا ماتم کروں۔ یوں تو کربلا کے مصیبت انگیز میدان میں اصحاب نے اہلبیت نے۔ انصار نے بنی ہاشم نے۔ جس فداکاری ایمان داری۔ محبت ایثار اور وفا شعاری کے نمونے پیش کیے وہ تمام دنیا پر اپنی

آپ ہی نظیر تھے مگر امام مظلوم کے عظیم بھائی کی اولاد نے جس محبت کا ثبوت دیا وہ امتیازی شان سے عالم کی نظر میں اپنی خاص منزلت حاصل کرتا رہا اور کرتا رہے گا۔احمد ابن حسن عبداللہ ابن حسن قاسم ابن حسن نسل امام حسنؑ کے وہ بے نظیر غنچے تھے جو پورے طور سے کھلنے بھی نہ پائے تھے کہ پالے شہادت سے مرجھا گئے تاریخیں بتاتی ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی ہو بلوغ کی حد تک نہ پہنچا تھا کہ شہید ہو گیا ان تینوں شہزادوں میں تاریخ نے عبداللہ ابن حسن اور جناب قاسم ابن حسن کو دنیا کے سامنے امتیازی صورت سے پیش کیا ہے عبداللہ ابن حسن تو اس وقت شہید ہوئے جب امام حسینؑ گھوڑے سے زمین پر تشریف لا چکے تھے اور بیٹھنے کی بھی طاقت نہ تھی مگر جناب قاسم اسوقت میدان جنگ میں آئے جب تمام انصار شہید ہو چکے تھے۔ بنی ہاشم میں جناب عقیل کی اولاد اور جناب جعفر کی یادگار داد شجاعت دے چکی تھی لیکن ابھی علی کے فرزند اور حسینؑ کا نور نظر علی اکبر باقی تھا جناب قاسم چچا کی خدمت میں دست بادب باندھ کر حاضر ہوئے۔ عرض کرتے ہیں اب مجھ کو بھی اجازت میدان عطا ہو حسینؑ نے سر سے پیر تک قاسم کو نگاہ حسرت سے دیکھا بھائی یاد آ گئے آنکھوں میں آنسو بھر کے فرمایا کہ نہیں اے قاسم نہیں تم میرے بھائی کی یادگار ہو۔ میں تم کو میدان کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ہر چند جناب قاسم نے اجازت مانگی۔ مگر امام حسینؑ نے اجازت نہ دی آخر جناب قاسم سر جھکائے ہوئے خیمے میں داخل ہوئے رنج و غم کے عالم میں سر جھکائے بیٹھے ہیں کہ یاد آیا کہ آخری وقت میں پدر بزرگوار نے بازو پر تعویذ باندھ دیا تھا اور وصیت کی تھی کہ

جب کوئی سخت وقت آئے تو یہ تعویذ کھول کر پڑھنا۔ بس یہ خیال آنا تھا کہ جناب قاسم نے بازو سے تعویذ کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا کہ قاسم! میں تو کربلا میں نہ ہوں گا۔ مگر جب میرا بھائی دشمنوں میں گھر جائے تو تم اپنی جان عزیز کرنا بس یہ وصیت پدر دیکھ کر جناب قاسم خوش ہو گئے۔ تعویذ لئے ہوئے امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کرتے ہیں چچا ملاحظہ فرمائیے یہ باپ کی وصیت ہے مظلوم امام نے بھائی کی تحریر پہچانی۔ جناب قاسم کو گلے سے لگایا اور شدت سے روئے۔

روایت میں ہے کہ چچا بھتیجے روتے روتے غش کھا کر گر گئے جب ہوش آیا تو فرمایا کہ نورِ نظر اگر تم کو حسنؑ کی یہ وصیت تھی تو مجھ کو بھی ایک وصیت تھی۔ یہ فرما کر قاسم کو ساتھ لئے ہوئے خیمہ میں تشریف لائے بہن سے فرمایا کہ حسنؑ کی پوشاک لاؤ بہن نے لباس حاضر کیا۔ امام حسینؑ نے بھائی کا لباس قاسم کو پہنایا اور اپنی صاحب زادی جناب فاطمہ کبریٰ کا عقد جناب قاسم سے کیا۔ صحن

نوٹ: جناب قاسم کے عقد کے بارے میں زبردست اختلاف ہے طرفین سے کئی رسالہ اثبات و انکار میں شائع ہوئے۔ میرے خیال میں یقین کا دعویٰ طرفین سے بے محل ہے لہٰذا جس طرح اکثر و بیشتر واقعات کربلا کا ذکر۔ تسامح فی ادلتہ السنن کی بنا پر جائز و صحیح ہے۔ اسی طرح ذکر عروسی قاسم بھی ہے کربلائے معلیٰ میں حجلہ عروسی اب تک موجود ہے اور مشہور ہے کہ اولاد کے واسطے دعا اس حجلہ میں ضرور قبول ہوتی ہے چنانچہ جب پانچ چھ برس قبل

عالم میں یہ شادی اپنی نظیر آپ تھی جس میں دولہا مرنے پر تیار۔ دلہن اسیر ہونے پر آمادہ۔ میدانِ جنگ میں لاشوں پر لاشیں اور ہر خیمہ میں کسی نہ کسی کے ماتم کی صف تین دن کی بھوک اور پیاس۔ سیدانیوں کے بال پریشان چہروں پر گرد وملال یک بیک میدان سے ھل من مبارز کی آواز آئی اور جناب قاسم بے چین ہو کر اٹھے۔ دلہن نے دامن پکڑا۔ قاسم میدانِ حشر میں کس طرح پہچانوگے قاسم نے آستین پھاڑ کر دے دی۔ تمام اہل حرم کو رو تا چھوڑا۔ میدان میں آئے۔ چچا سے اجازت جہاد لی امام حسین نے اپنے دست مبارک سے قاسم کے سر پر عمامہ باندھا۔ دونوں سرے عمامہ کے سینے پر لٹکا دیئے گریبان مثل کفن چاک کر دیا۔ گود میں اٹھا کر گھوڑے پر بٹھایا کربلا کے میدان میں کوئی ایسا مجاہد نہ تھا جس کے سر پر خود نہ ہو جسم پر زرہ نہ ہو۔ مگر یہ صرف اس کم سن مجاہد کی شان تھی کہ نہ سر پر خود نہ جسم پر زرہ۔ پورے طور سے رکابوں میں پیر بھی نہیں پہنچتے تھے اس لئے کہ ایک طرف جھک کر پڑی جاتی گھوڑے کو ایڑ دی لشکر کے سامنے آئے رجز شروع کیا۔ اِن تنکرونی فانا ابن الحسن

میں زیارت سے مشرف ہوا تو بعض معتبر حضرات نے بیان کیا کہ علمائے ہند میں سے بھی ایک بزرگ نے اس مجلس میں دعا کی۔ دعا ان کی مستجاب ہوئی۔ عروسی۔ جناب قاسم کے ثبوت میں جناب مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ دامت برکاتہ نے بہت ہی مفصل مدلل تین کتابیں عبائر الانوار کے نام سے تالیف فرمائی ہیں جن میں سے دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں چونکہ کوئی سوا اب تک نہیں ہوئی ہے۔ ک۔ص نقوی

اگر تم نہیں پہچانتے تو پہچان لو کہ میں حسن کا لاڈلا ہوں وہ حسنؑ جو رسول عالمیان کے نواسے تھے یہ رجز پڑھ کے حملہ کیا اور ہاشمی تلوار نے لاشوں پر لاشیں گرانا شروع کیں یہ عالم دیکھ کر عمرو ازدی گھوڑے کو کاوہ دے کر پشت پر آیا اور غفلت کے عالم میں ایک تلوار ایسی ماری کہ شہزادہ گھوڑے پر سنبھل نہ سکا گرتے گرتے آواز دی یا عماہ ادرکنی۔ اے چچا میری خبر لیجئے حسین گھوڑا بڑھا کے چلے سب سے پہلے قاتل قاسم پر نگاہ پڑی امام حسین نے تلوار ماری اس ملعون نے ہاتھ اٹھا دیا۔ تلوار ہاتھ پر پڑی۔ اور ہاتھ کٹ گیا دشمن نے فریاد کی کہ مجھکو بچاؤ۔ لشکر مدد کو دوڑا۔ امام حسین چاہتے ہیں کہ قاتل قاسم بچنے نہ پائے اور لشکر کی صفیں بیچ میں آگئیں۔ جنگ ہونا شروع ہوئی۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جنگ کے عالم میں گھوڑوں کا کیا حال ہوتا ہے ادھر کے سوار اُدھر اور ادھر کے سوار ادھر قاسم کی لاش پامال ہو گئی۔ امام حسین نے سب کو مار کے ہٹا دیا۔ جناب قاسم کے سرہانے پہنچے دیکھا رمق جان باقی ہے سر زانوں پہ رکھ کے بیٹھ گئے۔

ارشاد فرمایا کہ نور نظر یہ وقت مجھ پر بہت سخت ہے کہ تو نے مجھ کو مدد کیواسطے بلایا اور میں مدد نہ کر سکا۔

یقیناً جناب عباس اس وقت موجود تھے جناب عباس کے سب بھائی موجود تھے جناب علی اکبر موجود تھے مگر یہ محبت کی انتہا تھی کہ تن تنہا قاسم کی لاش اٹھائی سینہ سے سینہ لگایا پیر زمین پر کھینچتے جاتے تھے۔

عزادارانِ حسینؑ تمام شہدائے کربلا نے امام حسینؑ کا ساتھ ہر مصیبت میں دیا مگر پامالی میں حسن کی اولاد کے سوا کسی نے ساتھ نہیں دیا مگر فرق یہ ہوا کہ امام حسینؑ کا جسم مبارک بعد شہادت پامال ہوا۔ اور جناب قاسم جب پامال ہو گئے تو جان باقی تھی نیزوں کے زخم تلواروں کے زخم تیروں کے زخم گھوڑوں کے سموں کے زخم خدا ہی جانے کہ قاسم کے جسم نازک کا کیا حال ہوا ہو گا۔ جو ہمارے تصور کے حدوں سے بھی باہر ہے۔

مجلس ہشتم

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَآءِ
وَالْمُرْسَلِيْنَ سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا اَبِى الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ
الطَّاهِرِيْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ فِى كِتَابِهِ الْمُبِيْنِ وَ
هُوَ اَصْدَقُ الْقَائِلِيْنَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ
فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ
فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ؀ ؎۱

ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی عطا کی اور ہم ہی نے ان کو خشکی و تری میں سواریاں دیں ہم ہی نے ان کو پاک و پاکیزہ رزق دیا اور ہم ہی نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔ جیسا فضیلت دینے کا حق تھا۔ یقیناً پیدا کرنے والے نے جب ایجاد کی منزل میں قدم قدرت رکھا تو کسی کو پست بنایا کسی کو بلند۔ کسی کی منزلت کم رکھی کسی کی زیادہ۔ افلاک کو بلندی دی زمین کو پستی۔ رات کو ظلمت دی دن کو نور۔ سورج میں گرمی قرار دی۔ چاند میں خنکی۔ پتھر میں سختی بنائی پانی میں نرمی کسی کو جاندار بنایا کسی کو بے جان سب ہی اس کی مخلوق ہے سب ہی کو اس نے پیدا کیا۔ مگر اس میں کوئی

؎۱ پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۷ آیت ۷۰

شک وشبہ نہیں جو جاندار ہیں وہ بے جان سے بہتر اس لئے فلکی ہوں یا ارضی گر حیوان و جن و ملک صاحب روح اور مالک احساسات و ارادہ ہونے کے اعتبار سے ہر اس موجود سے بہتر جس میں حس نہ ہو۔ ارادہ نہ ہو اور ادراک نہ ہو یونہی ہر صاحب عقل و فہم بے عقل و نا فہم سے افضل اس لئے انسان و جن و ملک ہر نوع حیوان سے بہت بلند اب مقابلہ رہ گیا تو تین ہی جنسوں میں ایک ملک دوسرے انسان تیسرے جن مگر تینوں جنسوں نے ابتداء خلقت ہی میں ایک بزم میں جمع ہو کر فیصلہ کر دیا کہ جن تو شیطان بننے کے قابل اور ملک انتہائی فضیلت کے بعد بھی نبوت کے واسطے نا اہل البتہ انتخاب قدرت نے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کہہ کر جس ذات کو اپنی نیابت کے واسطے چھانٹ لیا۔ وہ صرف انسان تھا۔ مغربی فلسفہ والوں کی قیاس آرائی ہے کہ انسان تدریجی ترقی کر کے اس منزل پر پہنچا جہاں آج ہے مگر اسلام بتاتا ہے کہ بالکل غلط ہے پہلا ہی انسان ترقی کے ان منازل پر قدم زن ہوا جہاں حیوان تو حیوان جن و ملک بھی سربسجود نظر آئے۔ خلقت میں رہنے کا مستحق ہوا سجدہ ملک سے مشرف ہوا۔ نیابت و نبوت کے تاج و تخت سے سرفراز ہوا۔ جب اس منزل سے اولاد آدم نے قدم بڑھائے تو کوئی ہابیل بن کر ابو البشر کا لخت جگر بنا کوئی قابیل بن کے بدترین خلائق ہوا۔ تھے دونوں آدم کی اولاد مگر نسل کی فضیلت اسٹ گئی اور ذاتی کردار نے ذلیل کیا سلسلہ تناسل اور آگے بڑھا تو جناب نوح کی عظمت سامنے آئی اور کافروں کی ڈوبتی ہوئی کشتی نے مسیح کی منزل بتائی پھر جناب

ابراہیم اور جناب موسیٰ اور حضرت عیسیٰ تمام انبیاء نے نسل انسانی کی افضلیت
دکھائی اور نمرود و فرعون اور ہامان نے بدترین عادات واخلاق کے نتیجہ میں تباہ
و برباد و ہلاک ہو کر اپنی پستیوں اور ذلتوں کا اعلان کیا۔ انسانیت کی اس تقسیم
نے ظاہر کر دیا کہ انسان کی ذات میں بلندی ہے نسل کے صفات کچھ نہ کچھ
عظمت دینے پر تیار ہیں مگر یہ انسانی انتخاب کا حسن و قبح ہے کہ اپنی
عظمت کو باقی رکھے یا بداعمالیوں کے نتیجہ میں حیوان کیا۔ نباتات اور
جمادات سے بھی بدتر بن جاتے ہیں آج جس مولود حرم کا دنیا سے
تعارف کرانا چاہتا ہوں وہ وہی بلند نگاہ عالی منزلت نسل ابراہیم کا شرف
تھا جس کا نام انتخاب قدرت نے علیؑ رکھا جس کے معنی بلند ہیں دنیا والے
جب نام رکھتے ہیں تو مناسبت کا خیال نہیں کرتے جاہل کا نام عالم رکھ دیا
بدکار کا نام متقی رکھا۔ منافق کا نام مومن رکھ دیا مگر پیدا کرنے والا جب نام رکھتا
ہے تو مناسبت دیکھ کے۔ محمدؐ کو جب ہر مدح کا مستحق پایا تو نام محمود رکھا
اور حیدر کرار کو جب ہر بلندی میں ممتاز دیکھا تو نام علیؑ رکھا نسل کی بلندی
خدا نے دی کیونکہ اسلامی عقیدہ کے مطابق۔ تمام دنیا کے انسانوں سے
عرب بہتر۔ عربوں میں قریش افضل۔ قریش کے تمام خاندانوں میں بنی
ہاشم افضل تر اور علیؑ وہ پہلا مولود جس کے ماں باپ دونوں ہاشمی۔

آدم کو علم ملا تو میراث علم علیؑ میں آئی نوح نے سفینہ سے ایمانداروں کو
نجات دی تو سفینۂ آل محمدؐ کے ناخدا علیؑ ہیں ابراہیم نے خلت کا شرف
پایا تو علیؑ خدا کے ولی بنے موسیٰ نے اژدہے کو اعجاز نبوت بنایا تو علیؑ نے

اشو ودری کی۔ جناب عیسیٰؑ کو فلک کی بلندی ملی تو علیؑ نے دوش نبی پر معراج پائی۔ ہاشم کے حسن نے بدر کامل کا شرف پایا تو علیؑ کو قرآن نے والقمر کہا۔ عبدالمطلب کو تمام عرب کی سرداری ملی۔ تو علیؑ سید الاوصیا ہوئے ابوطالب ناصر وحامی رسولِ امیؐ ہوئے تو علیؑ نے بھی رسولؐ کی نصرت وحمایت کر کے آخر نادِ علی التمد والی۔

علیؑ کا اسم مبارک حیدر، لقب مرتضےٰ رکھا گیا منصب امامت، ولایت خلافت، کنیت ابوالحسن اور ابوتراب۔ آپ کے پدر بزرگوار ابوطالب۔ دادا عبدالمطلب۔ آپ کے والد و والدہ ماجد جناب ہاشم نسل ابراہیم کیواسطے باعثِ شرف تو علی ہیں۔ باپ دادا خاندان اور نسل کی ہر فضیلت آپ آئی۔

اب اس کے بعد خدا نے عظمت بڑھائی اور کعبہ میں ولادت کا شرف دیا دیوار کعبہ نے شق ہوکر آغوش بنا کھولی یا رسولؐ کی معراج ثابت کرنے کو دیوار سر کی۔ یا در کعبہ نے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ منشاء باری نے اندر آنے کی اجازت دی یا صدف کعبہ نے گہر امامت کو سینہ میں لیا جو بھی واقعہ ہوا ہو مگر اس میں شک نہیں کہ علیؑ کا زچہ خانہ خدا کا گھر بنا۔ مجھکو کیا معلوم کہ زچہ کی خدمت مریمؑ نے کی یا آسیہؑ نے حوروں نے بڑھ کے گود میں لیا یا ملک نے، کوثر کا پانی غسل مولود کو آیا یا آب سلسبیل نے آبرو بڑھائی جنت کے حلہ سے زینت ہوئی یا ماں کی چادر نے لباس دیا میں راز قدرت کیا سمجھوں کہ میزبانی کے انتظامات کیا کیا ہوئے ؟ کیونکہ جس طرح شب معراج حبیب و محبوب کے علاوہ کوئی خبیر نہ تھا اسی طرح کعبہ کی مہمانی میں بھی ماں اور بچہ کے علاوہ کوئی

غیر نہ تھا اسی طرح کعبہ کی مہمانی میں ماں اور بچے کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ مگر کہنے میں بات آتی ہے کہ جب ولی خدا مہمان ہو اور اللہ سا کریم و رحیم میزبان ہو تو کیا کچھ سامان نہ ہوا ہوگا۔ رحمت خدا گہوارہ بنی علم الٰہی سے غذا ملی قدرت نے قوت و طاقت دی۔ عدالت الٰہی نے عصمت کا لباس پہنایا آنکھوں کو عین اللہ بنایا۔ کان کو اذن اللہ کہا۔ زبان کو لسان اللہ کہا۔ ہاتھوں کو ید اللہ کہا۔ جب یہ تمام انعامات مل چکے اور مہمانی کی مدت ختم ہوئی تو علی کی پاک و پاکیزہ ماں فاطمہ بنت اسد خدا کے گھر سے شیر سا بچہ گود میں لے کر اٹھیں۔

واقعات گواہ ہیں کہ جب جناب عیسیٰ کی ولادت کا وقت آیا تو ندائے قدرت جناب مریم نے سنی۔ بس اے مریم بیت المقدس میں قیام کا زمانہ ختم ہوا یہ عبادت کرنے کی جگہ ہے زچہ خانہ نہیں ہے۔ نکلیں جناب مریم اور کھلے صحرا میں آئیں۔ اور روح اللہ کی ولادت درخت خرما کے سایہ میں ہوئی مگر امیر المومنین سید الوصیین علی مرتضےٰ کی ماں کے واسطے اگر یہ نہ کہوں کہ وحی کے اشاروں نے بلایا تو اتنا ضرور کہوں گا کہ پھر کعبہ نے بند ہو کے راستہ کیوں نہیں روکا۔ ہاں ہاں وہاں یہی مناسب تھا کہ جناب مریم ہٹائی جائیں اگر ولادت عیسیٰ خدا کے گھر میں ہوتی تو نصرانیوں کو دلیل ملتی کہ خدا کے بیٹے نہ ہوتے تو خدا کے گھر میں پیدا کیوں ہوتے اور علی کعبہ میں پیدا نہ ہوتے تو خانہ زاد خدا اور وارث خلیل اللہ ہونے کا شرف کیونکر ملتا۔

بہر حال تین دن کے بعد بچہ کو آغوش محبت میں لئے آیت الٰہی کو سینے سے

لگائے نورِ بصر کو دامن میں چھپائے ہوئے مادرِ گرامی کعبہ سے نکلیں پھر کعبہ کی دیوار پھٹی یا باب کعبہ سحاب کی طرح آفتاب کے سامنے سے سرکا یا دریا نے شق ہو کر کلیم خدا کو راستہ دیا۔ یا فلک کے دروازے معراج حبیب میں کشادہ ہوئے اور آغوش محبت میں مسکراتا ہوا بچہ شوق دیدار رسولؐ میں آنکھیں بند کئے ہوئے قبلہ اسلام سے باہر آیا۔ ابر ہٹا کر چاند نکلا۔ یا گلاب کے پھول سے خوشبو نکلی۔ یا چاہ کنعان سے یوسف نکلے یا رات کی تاریکی میں نور سحر چمکا یا شاخ گل میں پھول کھلا۔ یا دل کعبہ کی آرزو نکلی۔ رسولؐ نے بڑھ کے گود پھیلائی اور ربوئے رسالت پہچان کے علی ہمک کے آغوش رسولؐ میں آئے۔ اور بچہ نے صورتِ محمدؐ کی زیارت کرنے کو پہلے پہل آنکھ کھولی جمال باکمال حبیب خدا دیکھا پہچان لیا تو مسکرا اٹھے غذا روحانی کی طلب میں دہن کھلایا چمن امامت کا غنچہ نسیم نفس رسالت سے کھلا رسولؐ نے بھائی کا دل نہ توڑا۔ زبان مبارک دہن میں دی کہنے کو دل چاہتا ہے کہ دہن دو تھے زبان ایک تھی۔ متکلم دو تھے کلام ایک تھا لفظیں الگ تھیں۔ مطلب ایک تھا نبوت و امامت میں فرق تھا۔ مگر بات ایک ہی تھی۔ لعاب دہن رسولؐ میں حل ہو کے علوم نبی سینۂ علی میں اترے اور دہن علی باب حکمت بنا۔

اب آپ سمجھے کہ علی نے یہی تو فرمایا تھا کہ ھٰذَا مَا زَقَّنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہ زَقًّا زَقًّا یہ میرا علم وہ ہے جو رسولؐ نے مجھ کو یوں بھرایا ہے۔ جیسے جانور اپنے بچہ کو بھراتا ہے۔ یہ نادر تصویر کہ منہ منہ سے ملا ہے زبان

دہن کے اندر ہے اور علوم کے دریا منڈلا رہے ہیں کہیئے تو یوں کہوں کہ آج ہی سے علی کو رسولؐ نے زبان نے دیدی۔ یا محمد مصطفےٰ نے لسان اللہ سے زبان مس کر دی اب کلام الٰہی جاری ہو گا تو میری زبان پر اور ظاہر ہو گا تو علی کے دہن سے جب کلید لسان رسالت سے قفل دہن علی کھل چکا اور کلیم کلام الٰہی نے زبان سے زبان مس کر کے قوت گفتار میں اضافہ کیا تو پروردہ آغوش کعبہ نے آیات الٰہی کی تلاوت کی۔ ماں کی گود میں چپ تھے۔ رسولؐ کی آغوش میں بول اٹھے۔ یعنی مکان بدلنے سے مکین بدلا چمن بدلنے سے خوشبو بدلی۔ منزل بدلنے سے اثر بدلا۔ شاخ بدلنے سے ثمر بدلا۔ رحل بدلنے سے کتاب بدلی۔ ماں کی گود میں قرآن صامت تھے رسولؐ کی گود میں قرآن ناطق ہو گئے۔ کہنے کو جو چاہے کہہ دیجئے لیکن اگر خانہ زلیخا میں تین ماہ کے بچہ نے عصمت یوسف کی گواہی دی قرآن کی آیت شاہد ہے وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا۔ اگر روح اللہ نے پیدا ہوتے ہی۔ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا کا دعویٰ کیا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھ کو کتاب بھی دیدی اور نبی بھی بنا دیا اور یہ سب کمالات قدرت الٰہی کی دلیلیں تھیں۔ تو مولود کعبہ کا آغوش خاتم النبیین میں انداز بدل طرز بدلنا کمال بدلنا۔ کلام کرنا کیونکر مانوں کہ عقل انسانی کے قبول کرنے کے قابل نہیں اور پھر یہ بھی تو ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ حبیب خدا کی فضیلت یہ تھی کہ جب آپ اپنے دست حق پرست میں پتھر لے لیتے تھے تو سنگریزے تسبیح خالق۔ شروع کر دیتے تھے پھر جس کے ہاتھ میں بے زبان بولنے لگیں بے حس

میں حس آجائے۔ جامد میں کلام پیدا ہو۔ نافہم با فہم ہو جائے تو جو لسان اللہ ہو وہ اگر آغوش نبی امی میں قرآن پڑھے تو کونسا تعجب کا محل ہے۔ پھر یہ بھی تو سنئے کہ تمام دنیائے اسلام علیؑ کے اسم مبارک کے ساتھ کرم اللہ وجہہ کا اضافہ کیوں کرتی ہے اس لئے ناکہ بچپن کی ابتدائی ساعتوں سے لیکر جوانی کی پرکیف گھڑیوں تک۔ اور شباب کی امنگوں سے گزر کر پیری کی پختہ کاری تک اور وقت ولادت کے لمحوں سے عمر کی آخری منزلوں تک علیؑ نے غیر خدا کو سجدہ کبھی نہ کیا۔ اس خدا پرست مولود نے معبود برحق کے سوا کسی ایرے غیرے پر نگاہ نہ ڈالی۔ پیشانی نہ جھکائی بندگی کے قابل نہ سمجھا بلکہ علامہ شبلنجی نے نور الابصار میں یہاں تک لکھ دیا کہ جب علیؑ بطن مادر میں تھے اور ماں کسی غیر خدا کو سجدہ کرنا چاہتی تھیں تو علی بطن مادر میں یوں بے چین ہوتے تھے کہ ماں سجدہ نہ کر سکتی تھیں میں اس روایت کو نہیں مانتا مگر ثابت تو ہو گیا کہ مولود کعبہ کی بلند نگاہی نے بطن مادر ہی میں پہچانا کہ خالق کون ہے۔ محراب عبادت میں بلند ہونے کے لائق کون ہے۔ کعبہ سے نکالنے کے لائق کون ہے۔ انسان کے ہاتھوں میں صناعی کی قدرت دینے والا کون ہے۔ اور دوسروں کے ہاتھوں کی تراش خراش کا محتاج کون ہے۔ عین حق کون ہے چشمہ باطل کون ہے دنیا کو روح دینے کی قدرت کس میں ہے ہتھی دست روح و حیات کون ہے۔ ہر شے پر غالب کون ہے ہر شے مغلوب کون ہے حقیقی سمیع و بصیر کون ہے۔ اندھا گونگا بہرا کون ہے۔ لطیف کون ہے کثیف کون ہے خالق مادہ اور صورت کون ہے

ہے بے جان مٹی کی مورت کون ہے پھر آپ ہی بتائیں کہ وقت ولادت ہی سے جس کا یہ علم ہو معرفت یہ ہو فہم یہ ہو وہ اگر آغوش رسالت میں آیات الٰہی کی تلاوت کر دے تو تعجب کیوں ہو انکار کیوں ہو۔

کیا کہنا علی کے فضائل کی بلندیوں کا کہ کمال انسانیت کی فضیلت ہوئے آل ابراہیم کا شرف ہوئے ضیاء فضیلت قریش سے لی۔ تاج سیاست ہاشم سے ملا۔ دادا کی سرداری سے ممتاز ہوئے۔ باپ سے نصرت رسول لی۔ ماں میں ایمان کی منزل ملی۔ کعبہ زچہ خانہ بنا۔ آغوش رسالت میں تربیت پائی گوہر ضیا بار امامت، معدن کعبہ سے آبرو لے کے نکلا۔ تو رسول کے گود کی زینت بنا تعلیم الٰہی سے چمک بندھی۔ لعاب دہن پیغمبر سے آب و تاب آئی آغوش رسالت کی زینت بنا۔ لوح دل سادہ تھی کوئی نقش آیا نہ تھا کہ سیرت رسول نے جھلک ڈالی۔ اخلاق رسالت کی چھوٹ پڑی نبوت کی تجلیاں آئینہ قلب علی میں اتریں اور تصویر اخلاق رسول اپنے مکمل خد و خال کے ساتھ علی میں یوں نمایاں ہوئی کہ آخر رسول کو کہنا پڑا لَحْمُكَ لَحْمِي تیرا گوشت میرا گوشت دَمُكَ دَمِي تیرا خون میرا خون حَرْبُكَ حَرْبِي تیری جنگ میری جنگ سِلْمُكَ سِلْمِي۔ تیری صلح میری صلح اور قرآن نے یوم مباہلہ آواز دی اَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ علی کا نفس رسول کا نفس۔ رسول کی گود میں پلے بڑھے۔ نقش قدم رسول پر قدم رکھ کے بچپنے ہی سے آگے بڑھے تو کعبہ میں دوش رسول پر چڑھے یوں کہوں کہ چمن امامت کا پھول آج پروان چڑھا۔

حقیقت یہ ہے کہ علم رسول - اخلاق رسول - سیرت رسول - جمال رسول
کمال رسول - عصمت رسول - عدالت رسول - غرض کہ ہر فضیلت رسول علی میں
یوں آ کے یوں چمکی جیسے کہ موسیٰ کے ہاتھ میں ید بیضا - یا نہر کوثر میں آفتاب
کی ضیاء - یا چاند کے دامن میں سورج کی چمک یا قائمہ عرش میں حبیب کا نور
یا نور محمدی میں کمال قدرت اور کمال قدرت میں جمال علم یا قرآنی الفاظ میں
معانی کی چمک - اور معانی کے دامن میں مشیت باری کی مہک حق یہ ہے - کہ
وہ آئینہ کیا جو صورت کشی نہ کرے وہ لوح کیا جو ارادہ باری کا مظہر نہ ہو وہ
صفا طینت علی کیا جس میں تصویر رسالت نہ اترے -

میں اس کے فضائل کی تفصیل کیا کروں جس کی ایک ایک صفت میں ہزار ہا
فضیلتیں ہر ہر عمل میں قرآن کی آیتیں - یہ کہوں کہ سب سے پہلے اظہار اسلام کیا
عمر بلوغ تک پہنچنے سے پہلے وحدت میں کامل ہوئے رسالت کا کلمہ پڑھا - سب
سے زائد عبادت کی سرداری یوں کی یعسوب الدین ہو گئے - زاہد ہوئے تو
امیر بنے کم سنی ہی کے عالم سے رسول کی نصرت شروع کی - امیر ہو گئے
غریبوں کے پاس بیٹھے غنی ہو کے مزدوری کی - علم اتنا تھا کہ جو علم اسلام میں
پھیلا وہ علی سے پھیلا ولایت کی منزلت میں قدم رکھا تو انما ولیکم اللہ
نے شرف دیا - دوش پر آنے کے بعد بھی غرور کیا تجربہ کیا یقیناً اصول اخلاق
کی جڑیں چار ہیں پہلے حکمت دوسرے عفت - تیسرے شجاعت - چوتھے
عدالت اس کی حکمت کا کیا کہنا - جو تمام دنیا کی حقیقتوں کا عالم اس کی عفت کا
کیا کہنا جس نے کبھی ترک اولیٰ بھی نہ کیا اس کی شجاعت کا کیا کہنا جس نے کم سنی

ہی ہیں قضمنا علیؑ کا لقب پایا ہے۔ جب رسول عربیؐ گھر سے باہر نکلتے تھے تو قریش کے بچے پتھر مارتے تھے ایک بار گھر میں واپس تشریف لائے تو علیؑ نے دریافت کیا میرے رسولؐ یہ آپ کے جسم پر زخم کیسے ہیں ارشاد فرمایا کہ عربوں نے اپنے بچوں کو سکھا دیا ہے جب میں نکلتا ہوں تو پتھر مارتے ہیں علیؑ نے عرض کی اب آپ اکیلے نہ نکلیں مجھ کو ساتھ لے لیں۔ جناب رسالت مآبؐ جب گھر سے باہر چلے تو علیؑ ستارہ سحری کی طرح سینہ سپر ہونے کو آفتاب رسالت سے آگے آگے بھیر لڑکوں نے اپنی عادت کے مطابق رسولؐ کے آگے پتھر پھینکے اور علیؑ نے تنہا بچوں کے جتھے پر حملہ کیا کسی کا سر پھوڑا کسی کو زمین پر پٹکا آخر تمام لڑکوں نے فرار کیا اور ماں باپ سے آکر فریاد کی قضمنا علی۔ ہماری ہڈیاں علی نے توڑ ڈالیں اب سمجھ میں آیا کہ جب علیؑ و نبیؐ کا نور ایک تھا۔ وقت خلقت ایک تھا عمر مدحاتی کی گھڑیاں ایک تھیں تو زمانہ ولادت میں تفرقہ کیوں ہوا۔ رسول کی ولادت باسعادت کے تقریباً تیس برس کے بعد علیؑ کی ولادت کیوں ہوئیؑ شاید اس لئے کہ اگر علیؑ کا سن بھی رسولؐ کے برابر ہوتا تو وقتِ بعثتِ رسولؐ بچپن نہ ہوتا تو بچوں سے مقابلہ کرتے میں عرب کے جوان بگڑ جاتے کہ واہ آپ کو شرم نہیں آتی کہ بوڑھے ہو کر بچوں سے الجھ پڑے اور اب تو کہنے کا محل تھا کہ بچوں بچوں میں لڑائی ہوئی بوڑھوں کے بگڑنے کا محل نہیں۔ ہاں فرق یہ ضرور تھا کہ وہ بہت تھے یہ اکیلا تھا۔ وہاں کثرت تھی یہاں وحدت تھی ادھر مجمع تھا یہ تنہا تھا۔ مگر بچپن ہی میں غالب کل غالب کی سند علی اکیلے نے تمام بچوں کو بھگا کے بچھوڑا۔ جب رسولؐ نے اظہار رسالت کیا تو یہ اختلاف

علی کا سن نو برس یا گیارہ برس کا تھا۔ مگر اللہ رے کمال فہم کہ جس طرح پہلے ہی نظر میں اللہ کو پہچانا یوں ہی بعثت کے دن ہی رسالت کا کلمہ پڑھا تمام دنیا سے پہلے نبی کے ساتھ نماز پڑھی۔ دعوت ذوالعشیرہ میں جب تمام بنی ہاشم خاموش رہے تو اس کمسن بچہ ہی نے جرأت و ہمت کا ثبوت دیا۔ بھائی کی نصرت و حمایت کا وعدہ کیا۔ خود فرماتے ہیں میں کم سن تھا۔ کم عمر تھا میری پنڈلیاں باریک تھیں۔ میری آواز کمزور تھی مگر جب بوڑھے بچے بھر پور جوان خاموش رہے تو میں بولا کوئی حق و باطل کو پہچان نہ سکا۔ اس لئے خاموش کوئی سرکشی پر اڑ گیا اس لئے خاموش۔ کوئی حسد سے جل گیا۔ اس لئے خاموش کوئی نور نبوت پہچان نہ سکا اس لئے خاموش۔ کوئی ہمت ہار گیا اس لئے خاموش کسی نے اپنے بولنے کا محل نہ دیکھا اس لئے خاموش۔

رسول کا بار بار اعلان تھا کہ ہے تم میں کوئی جو آج میری مدد کا وعدہ کرے اور کل وہی میرا وزیر ہو بھائی ہو وصی ہو جانشین ہو اس آواز پر سب خاموش مگر جرأت دکھائی تو بچے نے لبیک کہی تو علی نے حق کو پہچانا تو علی نے۔ یہ تھی حق شناسی یہ تھی معرفت کی انتہا۔ یہ تھی جرأت ایمانی کی بلندی بڑے بڑے نہیں پہچانتے کہ حق کیا ہے۔ باطل کیا۔ اصل کیا ہے نقل کیا محبت کے لائق کیا ہے نفرت کے لائق کیا۔ مگر علی ولی کا کیا کہنا کہ بچپنے ہی میں کمال دکھایا جرأت و جسارت کی حد کر دی۔

مصیبت پڑنے پر بڑے بڑے بہادر سب جانتے ہیں قدم جادہ استقلال سے ہٹ جاتے ہیں ثبات میں لغزش آجاتی ہے مگر علی نے محمد ہی کی طرح

شباب قدم دکھایا ہر مصیبت کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کر گئے اور پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

کیا قتل کی دھمکی ہمت شکن نہ تھی؟ کیا تین برس پہاڑ کی گھاٹی میں تمام بنی ہاشم کا بند رہنا جرأت ختم کر دینے کو کافی نہ تھا۔ کیا بہ اصطلاح جدید عرب کا تین برس تک بائیکاٹ کرنا۔ صبر آزما نہ تھا؟ اس تین برس کے عرصہ میں کبھی فاقہ کرنا کبھی پیاس کی تکلیفیں سہنا۔ کبھی سردی برداشت کرنا کبھی عرب کی گرمی سے مقابلہ کرنا بہادر دل کی ہمت ختم کر دیتا ہے۔

یہ علی ہی کا کام تھا کہ اتنے شدید مصائب جھیلے مگر ماتھے پر شکن نہ پڑی اور خوشی خوشی ہر مصیبت میں رسول کے سینہ سپر رہے۔ ایسی فداکاری۔ ایسی وفاداری۔ ایسی جاں نثاری ایسی بہادری۔ دنیا میں بہت کم دیکھنے میں آتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ عباس کی وفاداری بھی کم نہ تھی۔ بلکہ مجھ کو تو وفا عباس۔ منزلِ عمل میں۔ حالات کے تقاضہ کے پیش نظر کچھ بڑھی ہوئی نظر آتی ہے اور اگر یہ نہیں تو پھر آپ ہی بتائیں کہ "باوفا" کا لقب عباس سے ہی کیوں مخصوص ہو گیا۔ علی کو سب شجاع کہتے ہیں نفس رسول کہتے ہیں اسداللہ کہتے ہیں۔

لیکن عباس کے القاب میں اگر کوئی لقب زبان زدِ عام ہو سکا تو وہ لقب "باوفا" ہی تھا

ہاں عزادارانِ حسین میری خواہش ہے کہ آج آپ حضرت سیدہ عالم کو ان کے اس فرزند کا پرسہ دیں

بھئی خدا کی قسم بھائی ہو تو ایسا ہو جیسے عباس تھے اور وفا کرے تو ایسی کرے جیسی عباس نے کی حسین کو تو بھروسہ تھا ہی عباس پر مگر اہل حرم میں بھی جتنے تھے سب کو عباس ہی کے دم کا سہارا رہتا تھا۔ ایک ذات امید گاہ تھی سب کی خدا جانے کس حد تک وفاداری تھی۔ میرے آقا میں کہ جو تھا وہ عباس سے ہی لو لگائے ہوئے تھا۔ جناب ام کلثوم کی زیست کا سہارا یہی ذات تھی زینب کو انہیں پر بھروسہ تھا۔ ام لیلیٰ انہیں کا سہارا ڈھونڈھتی تھیں کون کون منظر پیش کروں آپ کے سامنے کیسے تو یہ کہوں کہ عباس خیمہ میں تلوار صیقل کر رہے ہیں اور جناب ام کلثوم گوشہ میں سر جھکائے رو رہی ہیں کہ ناگاہ جناب عباس کی نظر پڑ گئی اٹھ کر قریب تشریف لائے فرمایا بہن خدا آپ کو نہ رلائے یہ آپ کیوں روتی ہیں؟ فرمایا عباس تم جانتے ہو کہ کل یوم شہادت ہے ام فروہ اپنے فرزند حسین پر نثار کریں گی۔ لیلیٰ اپنا فرزند نثار کریں گی۔ میری بہن زینب اپنے فرزندوں کو بھائی پر تصدق کریں گی۔ مگر بھیا میں ایسی بد نصیب ہوں کہ کوئی فرزند نہیں رکھتی اگر آج میں بھی صاحب اولاد ہوتی تو اپنے بچوں کو حسین پر نثار کرتی یہ سننا تھا کہ عباس قدموں پر گر پڑے۔ بہن عباس کو بھائی نہ سمجھئے غلام سمجھ کر آقا پر فدا کیجئے اب اگر دوسرا منظر دیکھئے شب عاشور......

بچوں کی پیاس دیکھ کر جناب علی اکبر بے چین ہیں گھوڑا در دولت پر حاضر ہے چاہتے ہیں کہ سوار ہو کر جائیں اور جس طرح بنے پانی لائیں ام لیلیٰ بے چین ہو کر جناب عباس کے پاس آئیں فرماتی ہیں بھیا میرا بچہ اکیلا دشمنوں میں جارہا

عباس یہ علی اکبر کو تمہارے سپرد کرتی ہوں اب تیسرا منظر ملاحظہ ہو عباس رخصت ہو کر خیمہ میں تشریف لائے ہیں اور جناب زینب پوچھ رہی ہیں کہ یہاں کا قصد ہے؟ فرماتے ہیں کہ بہن اب ہم کو مرنے کی اجازت دیجئے لڑتی ہیں عباس اچھا مرنے جاؤ مگر مجھ کو اس وقت ایک بات یاد آگئی ہے سنتے جاؤ عرض کرتے ہیں بہن ارشاد کیجئے۔ فرمایا عباس ایک دن میں بابا کے زانوں پر بیٹھی تھی کہ عبا میرے دوش سے سرک گئی اور بازو میرا کھل گیا بابا نے میرے بازوؤں کے بوسے لینے شروع کر دیئے میں نے عرض کی بابا آپ یہ کیا کرتے ہیں۔ فرمایا وہ مقامات چومتا ہوں جہاں کبھی رسیاں باندھی جائیں گی میں نے عرض کی بابا اگر کسی کا ایک بھائی ہوتا ہے تو کوئی اس کو اذیت نہیں پہنچا سکتا۔ اور خدا رکھے میرے تو اٹھارہ بھائی موجود ہیں کس کی مجال ہے کہ میرے بازوؤں میں رسی باندھ سکے۔ مگر اب مجھ کو یقین ہو گیا کہ میرے بازوؤں میں ضرور رسیاں باندھی جائیں گی کیوں کہ اٹھارہ بھائیوں میں حسینؑ کے علاوہ صرف تم رہ گئے ہو۔ اور اب تم بھی مرنے جاتے ہو اب کون ہے جو زینب کی حمایت کرے گا؟

ہاں عزادارو! اب خبر لو حسین کے دل کی کہ وہی بھائی ہاتھ جوڑے عرض کر رہا ہے مولا مجھ کو مرنے کی اجازت دیجئے۔ حسینؑ فرماتے ہیں بھیا تم کو کیونکر اجازت دوں۔ تم میرے لشکر کے علمبردار ہو۔ عباس نے عرض کی کہ وہ لشکر ہی اب نہ رہا تو پھر علمداری کس کی کروں۔ کیوں شیعو! سچ کہا کیا حسین نہ جانتے تھے کہ لشکر تو قتل ہو چکا ہے اب عباس علمداری کس کی

کی کریں گے ، مگر اجازت اس لئے نہ دیتے تھے کہ حسین جانتے تھے کہ جب تک علم کا پھریرا ہوا میں لہرا رہا ہے اور بچوں کی نظر علم پر پڑ رہی ہے اسوقت تک ان کے دل کو ڈھارس ہے کہ ہمارا کوئی مددگار موجود ہے۔ مگر جب عباس نہ ہوں گے تو بچوں کی آس ٹوٹ جائے گی۔

بہر حال امام حسین نے فرمایا کہ بھیا اگر مرنے کا قصد ہے تو بچوں کے لئے پانی کی کوئی تدبیر کرتے جاؤ۔ عباس صفوف لشکر کے قریب آئے اور فرمایا کہ اے قوم نابکار یہ نہر فرات موجیں مار رہی ہے اور سگ و خوک تک اس سے سیراب ہو رہے ہیں۔ مگر حسین کے بچے خالی کوزے ہاتھوں میں لئے آواز العطش العطش بلند کر رہے ہیں۔ تشنگی روز محشر سے ڈرو۔ اگر تھوڑا سا پانی دیدو گے تو فرات گھٹ نہ جائے گی۔ مگر اشقیاء نے جواب دیا عباس اپنے بھائی سے کہدو کہ جب تک یزید کی بیعت نہ کریں گے ایک قطرہ پانی کا نہ ملے گا۔ جناب عباس مایوس ہو کر لوٹ آئے۔ تمام واقعہ امام حسین سے بیان کیا بچوں کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو بے چین ہو گئے آواز گریہ وزاری بلند ہوئی۔ عباس کو تاب نہ رہی ایک سوکھی مشک اٹھالی اور فرات کی جانب روانہ ہوئے یہاں کمان داروں کا لشکر گھاٹ روکے ہوئے تھا۔ پانچ سو کمانیں ایک ساتھ کڑکیں ادھر عباس نے سپر کو چہرے کی آڑ بنایا۔ نیزہ گوش فرس پر رکھا اور گھوڑے کو ایڑی دی گھوڑا اڑتا ہوا چلا اور دشمنوں کی لاشیں گرنے لگیں۔ ابھی اسی ہی آدمی قتل ہوئے تھے کہ سب کی باگیں مڑ گئیں اور فوج سے گھاٹ صاف ہو گیا۔ عباس نے

تھوڑا نہر میں ڈال دیا پانی کی ٹھنڈک نے جلتے ہوئے دل سے کچھ کہا اور عباس نے چلو میں پانی لیا۔ مگر شیعو! سچ کہنا کہ تمہارا دل قبول کرتا ہے کہ عباس سے وفادار نے پانی پینے کا قصد کیا تھا؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ ہاں پانی پر ہاتھ ڈال کر دکھا دیا کہ روک نہ لیا ہم کو؟ دیکھو یوں نہر پہ قبضہ کرتے ہیں اور پھینک اس لئے دیا کہ ہمارے بابا ساقی کوثر ہیں۔ تو ہم کو پانی کی پرواہ کیا ہے؟ ہاں بات بڑھ گئی تھی چھین کر بھی دکھا دیا کہ یوں نہر پہ قبضہ کر لیتے ہیں بھر لی مشک اور نہر فرات سے پیاسے ہی نکل آئے۔ مگر اب بھاگا ہوا لشکر جمع ہو گیا اور چاروں طرف سے حملہ ہونے لگا۔ مگر اللہ رے عباس کی شجاعت کہ تین دن کے پیاسے بھی ہیں دوش پر مشک بھی ہے اور پھر علم بھی سنبھالے ہیں اور دشمن سے جنگ بھی کر رہے ہیں۔ مگر ہر شے کی ایک انتہا ہوتی ہے۔ آخر کہاں تک جنگ بھی کر رہے ہیں۔ پیاس کی شدت بھڑکنے لگی اور جسم کی طاقت گھٹنے لگی یکایک نوفل نے کمین گاہ سے نکل کر ایک ایسی تلوار ماری کہ داہنا ہاتھ قطع ہو گیا۔ مگر عباس نے تلوار بائیں ہاتھ میں لے لی اور جنگ شروع کی۔ تو شیعو! بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ تمہارے آقا نے مشک کا تسمہ دانتوں میں دبا لیا۔ اب گھوڑے کو ایڑ پر ایڑ ہے کہ یہ پانی کسی طرح سکینہ تک پہنچ جائے کہ یکایک تیر مشک پر پڑا اور پانی بہنا شروع ہوا۔ اب دل کی طاقت اور گھٹی۔ اسی اثنا میں ایک گرز سر مبارک پر پڑا۔ اب عباس میں سنبھلنے کی طاقت نہ رہی آواز دی مولا غلام کی خبر لیجئے۔ حسین نے یہ سنتے ہی کمر پکڑ لی اور فرمایا الآن انکسر ظہری

ہائے عباس تمہارے مرنے سے میری کمر ٹوٹ گئی۔

اس کے بعد حسینؑ گھوڑے پر سوار ہوئے اور نہر کا رخ کیا ناگاہ حسین کا فرس چلتے چلتے رک گیا۔ حسین فرماتے ہیں کہ میرے وفادار فرس میں جانتا ہوں کہ تو بھوکا بھی ہے پیاسا بھی ہے مگر اب یہ حسینؑ کی آخری خدمتیں ہیں پھر حسینؑ تجھ پر سوار ہونے کو باقی نہ رہے گا۔ یہ سن کر گھوڑے نے گردن جھکا کر زمین کی طرف اشارہ کیا۔ دیکھا عباس کے کٹے ہوئے ہاتھ پڑے ہیں جھک کر ہاتھ زمین سے اٹھائے اور سینہ سے لگائے فرمایا وائے ہو تجھ پر نہر فرات کہ میرے بھائی کی جان بھی گئی اور میرے بچے پیاسے بھی رہ گئے۔

بہر حال حسین پہنچے عباس کے قریب سر اٹھا کر زانو پہ رکھا ارشاد فرمایا او بھائی میں آگیا۔ اگر دل میں کوئی حسرت ہو تو بیان کرو۔ عباس نے عرض کی آقا دو حسرتیں ہیں پہلے یہ کہ میں نے سنا ہے کہ جب میں پیدا ہوا تھا تو آنکھ کھول کر سب سے پہلے آپ ہی کی زیارت کی تھی اب دل چاہتا ہے کہ آخری وقت بھی آپ ہی کی زیارت کروں۔ فرمایا کہ بھائی پھر کیوں نہیں دیکھتے۔ فرمایا کہ ایک آنکھ میں تیر پیوست ہے اور دوسری آنکھ میں سر کا خون جم گیا ہے امام حسین نے اپنے دامن سے خون پاک کیا اور عباس نے نگاہ حسرت سے بھائی کی طرف دیکھا اس کے بعد فرمایا اور دوسرے یہ کہ میں سکینہ سے پانی کا وعدہ کرکے آیا تھا مجھے شرمندگی ہے کہ میری بچی پیاسی رہی۔ اور پانی خیمہ تک نہ پہنچ سکا۔ اب آپ میری لاش خیمہ میں نہ لے جائیے گا۔

اس مقام پر بعض ذاکرین فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جناب عباس نے حضرت علی اکبر کو قریب بلایا اور فرمایا کہ چچا کی جان رسم عرب یہ ہے کہ جب کسی کو زیادہ ذلیل کرنا ہوتا ہے تو اس کی لاش کو گھوڑوں سے پامال کر دیتے ہیں۔ بیٹا مجھ کو یقین ہے کہ یہ اشقیا تمہارے باپ کے ساتھ بے ادبی ضرور کریں گے لہذا جب میری روح جسم سے مفارقت کر جائے تو میری لاش عمر سعد کے پاس لے جانا اور کہنا کہ پسر سعد! عباس نے وصیت کی ہے کہ اگر حسین کی لاش پامال کرنے کا ارادہ ہو تو حسین کے عوض عباس کی لاش کو پامال کر لو۔

مجلس نہم

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین سیدنا ونبینا ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الطاہرین اما بعد فقد قال اللہ تعالیٰ وتبارک فی کتابہ المبین وھو اصدق القائلین لہ معقبٰت من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسہم۔ پارہ ۱۳۔ سورہ رعد ع ۲ آیت ۱۰

خداوند عالم ارشاد فرمارہا ہے کہ ہم ہر شے کو جانتے ہیں یہاں تک کہ رحم کے اندر بچہ اور اس کے حالات سے واقف ہیں جو چیز حاضر ہے اور غائب ہے ان سب کو جانتے ہیں ہمارے نزدیک وہ سب برابر ہیں جو چھپا کر باتیں کرتے ہیں یا زور سے بولتے ہیں۔ شب کے پردوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں یا دن کی روشنی میں کام کرتے ہیں ان سب کے حالات سے بخوبی واقف ہیں اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے لہٗ معقبٰت من بین یدیہ ومن خلفہٖ ہر انسان کے واسطے کچھ فرشتے ہیں جو سامنے ہیں اور اس کی پشت پر بھی یہ فرشتے خدا کے حکم سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں اسکے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ان

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ۔ خداوند عالم ان نعمتوں کو نہیں بدلتا جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہیں۔ جب تک کہ وہ قوم خود اپنی حالت نہ بدلے۔ یہ آیت ہے جسے میں آپ حضرات کے سامنے اس وقت عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس مسئلہ کی پہلی منزل یہ ہے کہ ذات حق کچھ ہے یا نہیں؟ اس کے بعد دوسری بحث یہ کہ ذات خالق ہر شئے کی عالم ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق کلام کو طول دینا نہیں چاہتا اس وجہ سے کہ جو اس بات کو مانتا ہے کہ عالم کا کوئی خالق ہے اور اسے بھی مانتا ہے کہ وہ خلق کرنے پر مجبور نہ تھا بلکہ اس نے اپنے اختیار اور ارادہ سے تمام چیزیں خلق کیں وہ یہ بات ماننے پر مجبور ہے کہ خالق عالم ہر بات کا عالم ہے کیونکہ جو کسی شئے کو جانتا نہ ہو وہ اس شئے کو بنا نہیں سکتا بالکل ظاہر بات ہے آپ جس بات کو نہیں جانتے وہ نہیں کر سکتے اگر کوئی کام آپ نے اپنے ارادہ اور اختیار سے کر دیا تو ماننا پڑے گا کہ آپ اس کام سے واقف تھے لہٰذا وہ خالق جس نے اتنی مخلوق پیدا کی جن کا شمار اس کی ذات کے سوا کوئی نہیں کر سکتا اور وہ چیزیں بنائیں جن کی حقیقت و ماہیت انسانوں کے عقلمند گروہ بھی نہ سمجھ سکے اور وہ انتظام قائم کیا جو ہزاروں لاکھوں برس گذرنے کے بعد بھی ایک حالت پر قائم ہے جس کے سمجھنے میں ادراک بیکار اور عقل نارسا۔ ایک سلسلہ ہے اور ایسا وسیع جو درحقیقت تو متناہی ہے۔ مگر ہماری عقلوں کے نزدیک لا متناہی۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ کیونکر؟ عقل کام نہیں کرتی کہ کب سے ہے؟ اور ادراک بیکار ہے

کہ کب تک رہے گا! ایک ایک معمولی شے جب اس کی تلاش میں قدم بڑھایئے تو مدتوں کی تحقیق کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ دنیا کی بے شمار چیزوں میں ایک دریا ہی کو دیکھ لیں اور اس کے انتظام کے سلسلہ کو دیکھیں تو اس کی ایک ایک موج آپ کو بتائے گی کہ اس کا بنانے والا کس قدر صاحب علم ہے اور اس کے علم کی انتہا کتنی ہے آپ بیٹھ جائیں گنگا کے کنارہ مگر نہ اس لئے کہ صبح بنارس دیکھیں اور نہ اس لئے کہ شام اودھ دیکھیں بلکہ صرف اس لئے کہ خالق کی قدرت دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک وسیع سلسلہ قدرت ہے جو بے حد پانی کی چادروں کو لپیٹتا ہوا اس طرف لے کر جا رہا ہے جہاں زمین میں نشیب ہے اور آخر ہی قدرت اس بہتے ہوئے پانی کو وہاں لے کر پہنچتی ہے جہاں فنا کا دامن وسیع ہے سب سے پہلے قطرے بنتے ہیں اور ان کے میل سے موجیں اور ان کے اتحاد سے چادریں چادروں کے اتفاق سے دریا۔ مختلف دریا آپس میں ملتے جاتے ہیں اور اک اک سے بخوشی بغلگیر ہوتا جاتا ہے۔ مگر اس اتفاق اتحاد اور اس میل ملت میں جب ہر شے اپنے کو فنا کر دیتی ہے۔ اس وقت دوسری شے کی بنیاد پڑتی ہے جس طرح نقطے جب اپنی ظاہری ہستی مٹا دیتے ہیں اس وقت سطح کی صورت ہوتی ہے جب سطحیں آپس میں ملتی ہیں اس وقت جسم بنتا ہے۔ یوں ہی قطرے فنا ہو کر موج بناتے ہیں اور موج فنا ہو کر چادر آب بناتی ہے چادر آب مل مل کر نہریں اور نہریں جب اپنی ہستی مٹا دیتی ہیں تب دریا بنتا ہے۔ یہ

دریا کسی ایک جگہ نہیں رہتا۔ فیض رساں طبیعت بے چین رکھتی ہے کہ ہر زمین کو سیراب کرکے اور ہر جگہ سے ہو کر نکلے۔

کنورجی کی حیثیت اور ہے کہ ہر خواہش مند کو اپنے پاس بلاتا ہے دریا کی حیثیت اور ہے کہ وہ ہر پیاسے کو ڈھونڈتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی تلاش میں وہ منزل قریب ہو جاتی ہے جب بچھڑے ہو بغلگیر ہو جائیں اور دو دریا قریب ہو جائیں وہ مقام دیکھنے کے قابل ہو جاتا ہے جب دو دریا تیزی کے ساتھ ملنے کو بڑھیں اور دونوں کا سنگم ایک ہو جائے زبان نہ ہو گر صورت بتاتی ہے کہہ سکیں مگر حالت بتاتی ہے کہ مل جانے کی بہت مسرت اور بے حد خوشی ہے۔

قطرے قطروں سے موجیں موجوں سے گرداب سے گرداب اسطرح ملتے ہیں جس طرح کوئی مدت کا دوست مل جائے یوں ہی ایک سے ایک ملا ہے اور آخر اس حد فنا کے قریب آتا ہے جہاں وجود سے عدم اور ہستی سے نیستی کی منزل ہم کنار ہے اور جو عام دریاؤں کی زندگیوں کا آخری لمحہ ہے یعنی وہ کنارہ جس کو طے کرکے دریا سمندر میں گریں اور اس ناپید اکنار ہستی میں فنا ہو جائیں جس کو دریاؤں سے الگ ہونے کا غم نہ تھا۔ اور مل جانے سے خوشی نہ ہوئی بس یہاں تک تو ہم نے بھی دیکھا کہ جہاں دریا سمندر میں گرا تو کچھ تھوڑی سی موجوں میں تلاطم ہوا کچھ تھوڑے سے گرداب چکر میں آئے کچھ پانی کی چادروں میں شکنیں پڑیں بعینہ اسی طرح جس طرح وقت بیمار کی نبضوں میں طلاطم ہو۔ دل کی حرکت تیز ہو جائے جسم کی رگیں

کھنچنے لگیں مگر اس کا نتیجہ ایک ابدی سکوت یوں ہی دریا کے سمندر سے
ملنے کے بعد کچھ تھوڑی دور بے چینی اور پھر سکوت کا یہ ہول عالم جہاں
دریا کی ہستی کا پتہ نہیں یہ گنگا کی انتہائی منزل جہاں عقل کی رسائی ختم
ہے کیونکہ یہ پانی ختم ہو گیا۔ اور کہاں اس نے اپنی ہستی مٹائی اب اگر ابتدا کو
دیکھیں تو آپ کو بہت سے صحرا طے کر کے بہت سی آبادیاں گزار کے بہت
سی وادیاں قطع کر کے ہمالہ کے قریب پہنچنا ہو گا جب انتظام قدرت کو
ڈھونڈھے گا تو آپ کو پتہ چلے گا کہ پتھر میں راستہ پیدا کر کے پہاڑوں
کے دامن چاک کر کے پانی کے قطرے نکل نکل کر آبشار کی شکلیں قائم
کر رہے ہیں یقیناً انسان کی حیرت بڑھے گی کہ کہاں پتھر اور کہاں پانی یہ کیا کرشمہ
ہے؟ جب اس کی تلاش میں آپ آگے بڑھیں گے تو آپ کو ہمالہ کی تین تین میل
بلند چوٹیاں اتنی برف سے ڈھکی ہوئی ملیں گی جن کا اندازہ کرنا آپ کے
امکان سے باہر ہو گا حسین منظر آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا کرنے کے ساتھ ہی
دلوں کا نور بڑھا دے گا جب آپ تصور کریں گے کہ کیا قدرت نمائی ہے؟
یہ برف کس کارخانہ میں بنی کتنی مشینوں نے اسے درست کیا اتنی بلندی
پر پانی کیونکر آیا جس سے کروڑوں من برف درست ہوئی تھوڑی دیر غور
کرنے کے بعد آپ کی عقل خود بتائے گی کہ پانی بلندی پر ٹھہر نہیں سکتا
اگر ایک قطرہ ہو تو اپنے مرکز کو ڈھونڈھتا ہوا نشیب کی طرف ڈھلک جاتا
ہے جب وہاں بھی بے چینی کم نہیں ہوتی تو زمین میں اپنی ہستی کو فنا
کر کے خشک ہونا گوارا کرتا ہے۔ مگر مرکز سے علیحدہ رہنا پسند نہیں کرتا

تو پھر اتنا پانی کہاں سے آئے گا جس سے گنگا ہے اور ہمالہ کی فلک بوس چوٹیاں برف کا لباس پہن کر خلعت شاہی کا شکریہ ادا کریں لہذا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آسمان کے دیئے ہوئے تاج ہیں جو آفتاب کی کرنوں سے جگمگا کر اپنی جواہر کاری ظاہر کر رہے ہیں جب یہاں تک آپ کی عقل بلند ہوگی تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ وہی برف ہے جو جاڑوں میں روئی کے گالوں کی طرح اطراف عالم میں برستی رہتی ہے اور مقامات پر زمین سے پیدا شدہ گرمی اس برف کو گلا دیتی ہے۔ مگر پہاڑوں کی چوٹیوں پر تیز سردی ہوتی ہے لہذا برف کے گالے ٹھنڈک پاکر سخت ہو جاتے ہیں جس سے پہاڑی چوٹیاں برف کی سلوں سے ڈھک جاتی ہیں۔ آفتاب کی شعاعوں سے پگھل پگھل کر قطرہ اور قطروں سے نہریں اور نہریں آبشار کی شکل میں بہہ نکلتی ہیں جب یہاں تک آپ کا فہم مدد کر چکا تو اب یہ خواہش پیدا ہوگی کہ یہ ہوا میں پانی کہاں سے آتا ہے جو برف بن جاتا ہے۔ سنئے! پانی دو ہواؤں سے مرکب ہے ایک کا نام ہے آکسیجن اور دوسرے کا نام ہے ہائیڈروجن جب کیمیائی طریقہ سے آپ پانی سے اجزا کو علیحدہ کریں تو اس سے بھی دو ہوائیں پیدا ہوں گی اور جب ان دونوں ہواؤں کو کیمیائی طریقہ سے ملا دیا جائے تو پھر پانی بن جائے گا۔ اسی وجہ سے جب سمندر کے پانی پر آفتاب کی تیز دھوپ پڑتی ہے تو پانی کے اجزا ہوا بن کے اڑتے ہیں اور جب یہی ہوا جسے بخار کہتے ہیں سرد ہوا میں پہنچتی ہے تو پھر اس سے پانی بنتا ہے اور برف کے گالوں کی شکل میں ہمالیہ کی چوٹیوں کے اوپر گرتا ہے اور

وہاں کی تیز ٹھنڈک پاکر سلوں کی صورت میں جم جاتا ہے اور آفتاب کی گرمی پاکر پگھل پگھل کر بہنا شروع ہوتا ہے اسی سے گنگا کی بنیاد پڑتی ہے اور وہی پانی سینکڑوں میل طے کرکے پھر اسی سمندر میں گرتا ہے جہاں سے بخار بن کر ابھرا تھا۔ یہ ایک سلسلہ قدرت ہے اور ایک انتظام عالم کا کرشمہ ہے اور ایک ادنیٰ نمونہ ہے کیونکہ یہ دورہ قائم ہے کہاں سے ابتدا ہے اور کہاں پر انتہا ہے؟ یہی انتظام کا بے نظیر سلسلہ جو گنگا کے پانی میں نظر آیا یہی بعینہ ہر شئے میں ہے درخت میں ہے تو یہی صورت زمین میں ہے تو یہی صورت انسانوں میں ہے تو یہی نوبت خود قرآن میں ارشاد ہے۔ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ہم نے تم کو زمین سے خلق کیا ہے اور پھر اسی زمین میں پلٹا لیں گے اور پھر دوبارہ اسی زمین سے نکالیں گے۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو معادِ جسمانی کے قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ جب انسان مر گیا تو عذاب اور ثواب جو کچھ ہے وہ روح پر ہے جسم پر نہیں ہے اور نہ جسم قیامت میں زندہ ہوگا۔ آئیں اور پہلے ایک نظر آیت پر کریں مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ ہے تو اس کی تصریح کہ انسان زمین سے خلق ہوا؟ اور وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ پھر زمین سے تم کو دوبارہ نکالیں گے اب تو انکار نہ کیجئے کہ قیامت میں جسم زندہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر صرف روح کا ذکر ہوتا تو تمام دنیا کو علم ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد روح قبر میں نہیں جاتی اور روح مٹی میں نہیں ملتی تو اگر روح بھی جسم کی طرح خاک ہو جایا کرتی تو یہ کہا جاتا کہ یہاں آیت

ہیں جس شے کے زمین سے دوبارہ نکالنے کا حکم ہے وہ روح ہو گی لیکن جب روح مٹی نہیں بنتی تو معلوم ہوا کہ جو شے زمین سے نکلے گی وہ جسم ہی ہوگا اب تو ماننے گا کہ قیامت میں جسم و روح دونوں ہوں گے۔ نیز پھر یہی آیت یہ بھی بتاتی ہے کہ قیامت کے دن یہی جسم ہوگا۔ کوئی اور نہ ہوگا کیونکہ خلق کرنا اور ہے نکال لینا اور ہے ایک دوا جو تیار شدہ کسی مقام پر نہیں ہے اس کے واسطے آپ حکم دیں گے کہ بنا دو اور دوا جو پہلے سے تیار کر کے کسی بوتل میں بھری گئی ہے اسکے واسطے آپ فرمائیں گے کہ نکال لو۔

پھول بنانا اور ہے اور پھول سے عرق نکالنا اور ہے بلکہ یوں عرض کروں کہ روح خلق کرنا اور ہے جسم سے روح نکالنا اور ہے بس یہی صورت اس آیت میں بھی ہے پہلے مقام پر ارشاد ہوا تھا مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ ہم نے تم کو زمین سے خلق کیا تمہاری ہستی کچھ نہ تھی تم کو زمین سے بنایا اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ اور پھر دوبارہ تم کو اس زمین سے نکال لیں گے لہذا معلوم ہوا کہ قیامت میں دوسرا جسم نہیں بنے گا ورنہ ارشاد ہوتا پھر دوبارہ تم کو خلق کریں گے تو معلوم ہوا کہ جسم وہی ہوگا البتہ نکالنے کی صورتیں دو ہوتی ہیں ایک یہ کہ کوئی شے کسی مقام پر رکھی ہے۔ اور آپ نے اسے نکال لیا مثلاً خزانہ کہیں دفن تھا۔ آپ نے زمین کھودی اور نکال لیا نہ جستجو کی ضرورت ہوئی نہ تلاش کی ایک ہی جگہ سے مل گیا اور دوسرے یہ کہ پھول سے عرق نکالا۔ عرق ایک جگہ پہ نہیں تھا بلکہ ہر ہر رگ گل میں متفرق

تھا آپ نے اس طرح اس کو نچوڑ لیا کہ عرق سارا نکل آیا اور پھوک اسکا الگ ہو گیا جسم سے روح یوں ہی نکلتی ہے اور اس کے نکالنے میں جسم یوں ہی نچڑ جاتا ہے جس طرح پھول عرق نکالتے ہیں اسی وجہ سے روح کہتی ہے کہ اس جسم کے ساتھ نرمی کرنا کیونکہ میں جس رگ سے الگ ہوتی ہوں اسے توڑ کے نکل ہوں تو اب یہ امر تحقیق طلب ہے کہ انسان کے جسم جو قیامت کے دن نکلیں گے وہ یوں نکلیں گے جیسے زمین سے خزانہ یا یوں نکلیں گے جیسے پھول سے عرق ایک صورت تو یہ ہے کہ جب قبر میں انسان دفن ہو گیا اس قبر سے مسلم جسم نکل آیا اور دوسری صورت یہ ہے کہ جسم خاک ہوا۔ اور خاک ہو کے دنیا بھر کی خاک میں متفرق ہو گیا۔ مگر ان کو جمع کر کے پھر جسم بنایا گیا میرا خیال تو یہ ہے کہ دونوں طرح سے جسم نکلیں گے بعض وہ ہوں گے جو اپنی اصلی حالت پر قبر میں موجود ہوں گے۔

. . . .

. . . . اور بعض وہ ہوں گے جو سڑ گل کے متفرق ہو گئے ہوں گے جو اجسام متفرق ہو گئے ان کا تجربہ آپ کو روزانہ خود ہوتا رہتا ہے نہ معلوم کس قدر ناز پروردہ جسم ہوں گے جو کبھی آپ کی گود میں تھے۔ پہلو میں تھے مگر خود آپ ہی نے اپنے ہاتھوں سے زمین کی نذر کر دیئے۔ اور اس کے بعد ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی اتفاق کی وجہ سے قبریں کھل گئیں وہ گوشت خاک تھا ہی ہڈیاں مٹی تھیں اب پتہ بھی نہیں چلتا کہ قبر کی مٹی کونسی تھی اور جسم کی مٹی کون سی ہے اب رہے وہ اجسام جو بعینہٖ اپنی حالت پر موجود رہیں گے وہ انبیاء اوصیاء ائمہ اور اس کے بعد اولیا

خدا کے اجسام میں انبیاء و اولاد ائمہ کی تو بڑی منزلت ہے۔ جو ایمان والا۔ کسی ذریعہ سے محبت و ولایت خدا کے درجہ پر پہنچ جائے زمین کی کیا مجال ہے کہ اس کے جسم کو خراب کر سکے یا گلا سکے۔ بہت زائد مدت نہیں گزری کہ یہی سال قبل کا واقعہ ہے جب دجلہ کے کنارے سے حذیفہ یمانی اور عبداللہ ابن جابر کے جسموں نے گیارہ سو برس کی مدت کے بعد سالم نکل کے بتایا تھا کہ ہمارے جسم اس قابل نہیں ہیں کہ زمین ان کو مٹا سکے یہ مثل ہے اس کی جس طرح گیارہ سو برس کی مدت ان جسموں کو گلا نہ سکی۔ اسی طرح آئندہ صدیاں بھی مٹا نہ سکیں گی سنا آپ نے سطحی نظر سے دیکھنے والے عقل سے کام لیتے نہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ تمہارے امام اس وقت تک کیونکر زندہ ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے روح وہ شے ہے کہ جسم کو سڑنے سے محفوظ رکھتی ہے اور جب وہی روح نہیں رہتی تو جسم گل جاتا ہے تو پھر جب بے روح جسم خدا کی قدرت سے گیارہ سو برس موجود رہیں۔ تو وہ جسم جس میں روح انسانی۔ روح ملکی اور روح امامت ایک ساتھ کام کر رہی ہوں اس کے بقاء حیات میں کیا تعجب ہے؟ لہذا انکار نہ کیجئے کہ زندہ نہیں رہ سکتے بہرحال معلوم ہوا کہ جسموں کا قبروں سے نکلنا دونوں طریقوں سے ہو گا اب اگر آپ یہ فرمائیں کہ جب خاک کے ذروں میں جسم کے ذرے مل گئے تو منتخب کیوں کر ہوں گے تو بیشک یہ انتخاب آپ کی نظر کے واسطے مشکل ہے لیکن خلاق عالم کی نظر نہ پہچانے۔ یہ تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہمارے فہم کی کمی یہ ہے کہ ہم خالق کی ہر بات کو

اپنی باتوں سے قیاس کر کے سمجھنا چاہتے ہیں یہ کام ہم نہیں کر سکتے تو خدا بھی نہیں کر سکتا یہ بات ہم سے نہیں ہو سکتی تو خدا سے بھی نہیں ہو سکتی مگر قیامت یہ ہے کہ اگر وہ آپ ہی کی طرح ہوتا تو بندہ نہ ہوتا۔ پھر خدا کیوں ہوتا آپ کی ہستی کیا۔ آپ کا علم کیا اور آپ کی قدرت کیا۔ مگر نہیں جو ہمیں نہیں معلوم وہ خدا کو بھی نہیں معلوم جسے ہم نہیں پہچانتے اسے خدا بھی نہیں پہچانتا اے جناب اس میں کسے شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ انسان ہیں اور ضرور ہیں مگر آج تک آپ اپنے ہی کو نہیں جانتے تو پھر کہئے خدا بھی نہیں جانتا۔ اگر جانتا نہ تھا تو بنایا کیونکر؟ حد یہ ہے کہ آپ تو اس قدر بھی نہیں پہچانتے جس قدر جانور پہچانتا ہے آپ نے لاکھوں جانور دیکھے ہوں گے۔ مگر غور کریں کہ ایک جانور اور دوسرے جانور میں کیا فرق ہے آپس میں امتیاز کیا ہے تو کچھ سمجھ میں نہ آئے گا لیکن کوئی امتیاز نہیں کوئی شناخت نہیں تو وہ جانور خود آپس میں ایک دوسرے کو کیوں کر پہچانتے ہیں تو معلوم ہوا کہ آپ کی قوت شناخت جانور سے بھی کم ہے لہذا آپ نہ پہچان سکیں کہ قبر کی مٹی میں جسم کے ذرے کس قدر ہیں تو نہ فرمائیے کہ خدا بھی نہیں پہچانتا۔ دیکھئے آپ نے کبھی ملاحظہ فرمایا ہے کہ معدن سے سونا کیونکر نکلتا ہے۔ یہ صورت نہیں ہوتی کہ تھوڑا سا اور سونا کے ڈلے نکلے اور دے آئے جی نہیں وہ مٹی ہوتی ہے۔ اس میں سونے کے ذرے اس طرح ملے ہوتے ہیں جیسے بالو میں چمک دار ذرے مگر ان ذروں کی شناخت کسے ہوتی ہے اسے جس کی آنکھوں میں بصارت ہو لیکن

اگر آنکھوں میں نور ہی نہ ہو یا کمزور ہو تو پھر وہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس مٹی میں سونے کا ذرہ کون سا ہے مگر اس کمزور بصارت والے کو یہ حق نہیں ہے کہ آپ پر اعتراض کرے کہ میں نہیں دیکھتا تم کیونکر دیکھ لیتے ہو آپ کی بصارت معدن کی مٹی میں سونے کے ذرے پہچان لیتی ہے اور نگاہ قدرت ہر مٹی میں جسم کے ذرے پہچان لیتی ہے اس کا علم حقیقی ہے اس کی نگاہ میں ہے ہر جسم کا ذرہ لہٰذا اس کا امتیاز آسان ہے وہ جس وقت چاہے گا جسموں کی مٹی الگ کرے گا اور بعینہٖ اس انداز سے جس طرح پانی کی حقیقت بتا چکا کہ سمندر سے ہوا بن کے چلا۔ زمہریر میں پہنچ کر برف بنا پہاڑوں پہ آ کے پانی بنا وہاں سے دریا بن کے چلا اور دنیا کو فیض پہنچانے کے بعد پھر اسی سمندر میں جا پہنچا جہاں اس کی ابتدا ہوئی تھی۔ اب پھر بخارات اٹھیں گے پھر یہی سلسلہ جاری ہوگا۔ آپ کی کمزور اور ظاہری نگاہ تو یہی بتانے پر تیار ہوگی کہ دریا کا پانی موجود تھا وہ تو سمندر میں فنا ہو گیا۔ مگر نگاہ ایمان بتائے گی کہ ہم نہ جانیں تو نہ سہی لیکن بہت ممکن ہے کہ وہی قطرے جو دریا نے لا کر ڈالے تھے سمندر سے بخارات ہو کے اٹھیں ہوں اور انہیں سے پھر یہ پانی بنا ہو۔ یہ تو آیت کی ایک مثال ہوئی مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ اسی سے تم کو خلق کیا اسی میں ہم پلٹا دیں گے تم کو اور پھر اسی سے تم کو نکالیں گے جہاں اس انتظام قدرت کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب سمجھ میں آیا۔ وہاں آیت پر نظر کرتے ہوئے تناسخ

کا بطلان بھی ثابت ہوا۔ جو لوگ تناسخ کے قائل ہیں اور آواگون کو حق سمجھتے ہیں قرآن ان کی رد کرتا ہے ہم چند جملوں میں اسے بیان کر دوں کہ تناسخ کا مطلب ہے کیا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے ہم کو خلق کیا اور ہم نے دنیا میں اگر اچھے برے کام سب ہی کچھ کئے تو اب ان کی جزا کوئی ہونی چاہئے جو لوگ اچھے ہیں انکا کوئی انعام ہو جو اشخاص گناہ کریں ان کی کوئی سزا ہو۔ اس سزا و جزا کے واسطے وہ لوگ اس بات کے قائل ہوئے کہ جو شخص اچھا کام کرتا ہے اس کی روح مرنے کے بعد دوبارہ پھر دوسرے جسم میں ڈالی جاتی ہے اور یہاں اس روح کو اس کے گذشتہ زندگی کے بہترین کاموں کی عمدہ سے عمدہ جزا دیجاتی ہے اور وہ شخص اس دوسری زندگی کو راحت سے آرام سے بسر کرتا ہے اب اگر اس زندگی میں بھی اس نے عمدہ کام کئے تو پھر تیسری زندگی بھی بہتر گزرے گی اور اگر برے کام کئے تو اب کی مرتبہ اس کی روح ایسے جسموں میں ڈالی جائے گی جہاں اس کو اذیت و تکلیف ملے اسی کا نتیجہ ہے کہ کبھی آدمی کی روح جانوروں میں کبھی جانور کی روح آدمی میں ڈالی جاتی ہے مثلاً زید نے اپنی زندگی برے کاموں میں گزاری تو اب مرنے کے بعد ممکن ہے کہ اس کی روح کسی ایسے جانور میں ڈالی جائے جہاں وہ انتہائی اذیت سے زندگی بسر کرے اب جبکہ جانور بنا اور اس کے گناہوں کی یہ صورت کفارہ ہوگئی تو اب پھر وہ روح انسان میں آئے گی اسی صورت سے ہمیشہ عذاب و ثواب ملتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت

آئے آیت قرآن نے بتا دیا کہ خدا جسموں کو مٹی میں ملانے کے بعد پھر زمین ہی سے نکالے گا۔ اگر مختلف کہا گیا ہوتا تو ممکن تھا کہ شبہ کیا جاتا کہ دوسرے جسم خلق کئے جائیں گے مگر جب قرآن نے تشریح فرمایا تو معلوم ہوا کہ اسی جسم کے متفرق اجزاء جمع کئے جائیں گے اس لئے ہمیں اسے حق نہیں ماننا اور نہ اس کی اصل ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ بعض انسان اسی دنیا میں ایسے گزرے ہیں جن کو دیکھ کر ظاہر ہوتا تھا کہ ان میں درندوں کی روحیں کام کر رہی ہیں اور بعض انسان تو ایسے بھی تھے جن کی سیرت جانوروں سے بھی بدتر تھی اور جن کے لئے قرآن کا ارشاد تھا اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ وہ تو بالکل جانوروں کی طرح ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر اور اگر آپ ایسے حیوان نما انسانوں کو دیکھنا چاہتے ہوں تو اس کی سب سے بڑی تعداد کربلا کے میدان میں نظر آئے گی کیا کوئی ان لوگوں کو انسان کہہ سکتا ہے جو نہ بچوں پر رحم کریں نہ بوڑھوں پر اور نہ عورتوں پر کیا کوئی ان کو انسان بھی کہہ سکتا ہے۔ جو خدا کے صالح ترین بندوں کو بے جرم و خطا قتل کر دیں۔ کیا کوئی ان لوگوں کو انسان کہہ سکتا ہے جو فقط سوال آب پر چھ ماہ کے بچے کو باپ کی گود میں تیر ستم کا نشانہ بنا دیں۔؟

آپ یاد رکھیں کوئی بھی انسان جس کے پہلو میں انسانی دل ہے قتل علی اصغر کو انسانی فعل نہیں کہہ سکتا سن چکے ہیں آپ اور ہزاروں بار واقعہ شہادت علی اصغر کو اور آج پھر سنئے مگر ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر اور یہ سمجھ

کہ سنئے کہ سیدہ عالم اس مجلس میں تشریف فرما ہیں اور اپنے پوتے کا ذکر سن رہی ہیں۔

روایات سے معلوم ہے کہ جب تمام انصار ختم ہو چکے۔ اعزا بھی شہید ہو چکے۔ قاسم۔ عباس۔ علی اکبر بھی داد شجاعت دے چکے تو اب حسین خود لشکر عمر سعد کے سامنے آئے اور اتمام حجت کے لئے آواز استغاثہ بلند کی اَمَا مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا۔ کیا کوئی ہے ہمارا مددگار جا کہ ہماری مدد کرے؟ حسینؑ کی آواز استغاثہ کا لشکر عمر سعد پر کیا اثر ہوتا مگر ہاں لاشہہائے شہداء میں تلاطم پیدا ہو گیا۔ کٹی ہوئی گردنوں سے آوازیں آنے لگیں کہ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ یا ابن رسول اللہ ہم اب بھی حاضر ہیں مگر کیا کریں موت نے ہمیں مجبور کر دیا ہے۔ ادھر تو لاشہائے شہداء میں تلاطم ہوا اور ادھر خیمہ سے رونے کی آواز آئی حسینؑ پلٹ کر خیمہ میں آئے اور جناب زینبؑ سے ارشاد فرمایا بہن میں نے تم کو منع کیا تھا کہ میری زندگی میں نہ رونا کیا سبب ہے کہ تمہارے گریہ کی آواز بلند ہوئی؟ زینب نے ارشاد فرمایا کہ بھیا میں تو نہ روئی مگر آپ کی آواز استغاثہ کچھ ایسی دردناک تھی کہ علی اصغر نے اپنے کو جھولے سے گرا دیا حسینؑ فرماتے ہیں کہ لاؤ بہن علی اصغر کو لاؤ شاید یہ اشقیاء ترس کھا کر دو بوند پانی دیدیں۔

بہن نے بچہ کو بھائی کی آغوش میں دیدیا ماں حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ حسینؑ بچہ کو عبا کے دامن سے چھپائے ہوئے خیمہ سے باہر تشریف

لائے ادھر لشکر سعد میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ حسینؑ تبرکات انبیا لا رہے ہیں کوئی کہتا ہے کہ قرآن لا رہے ہیں۔ ادھر حسینؑ ایک بلندی پر تشریف لائے اور عبا کا دامن ہٹایا تو قرآن صامت تو نہ تھا۔ مگر ہاں قرآن ناطق کا ایک چھوٹا سا سورہ ضرور تھا۔ امام حسینؑ نے بچہ کو دونوں ہاتھوں پر بلند کیا۔

کملایا ہوا بچہ باپ کے ہاتھوں پر کروٹیں بدل رہا ہے۔ حسینؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے گروہ جفا کار! اگر حسینؑ تمہارے نزدیک گنہگار ہے۔ تو اس بچہ نے تو کچھ قصور نہیں کیا۔ اس کو دو بوند پانی پلا دو کہ اس کی ماں کا دودھ خشک ہو گیا ہے۔

جب اس کا کوئی جواب نہ ملا تو آپ حسینؑ نے فرمایا کہ اچھا اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ شاید میں اس بچہ کے بہانے پانی پینا چاہتا ہوں تو لو میں اس بچہ کو اس جلتی زمین پر لٹائے دیتا ہوں۔ تم خود آ کر اس کو پانی پلا دو جب اس کا کوئی جواب نہ ملا۔ تو آپ حسین خود علی اصغر کی طرف متوجہ ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ نور نظر تو بھی حجت خدا کا فرزند ہے ذرا اپنی پیاس ان اشقیاء پر ظاہر کر دے۔ عزادارو! بتاؤ بتاؤ کہ علی اصغر اپنی پیاس کس طرح ظاہر کریں؟
بچہ نے اپنی ڈھلی ہوئی گردن لشکر کی طرف پھیری اور خشک ہونٹوں پر زبان پھرانا شروع کی یہ وہ منظر تھا جس کو دیکھ کر دوست تو دوست دشمنوں کے بھی کلیجہ پانی ہو گئے اور اولاد والے دل پکڑ کر بیٹھ گئے۔
اس مقام پر میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ جو شخص

حسینؑ کی نصرت کے لئے میدان میں آیا وہ کسی نہ کسی اسلحہ سے مسلح ہو کر ضرور آیا۔ کچھ نے تیروں سے دشمنوں کو دفع کیا۔ کچھ نے نیزوں سے اشقیاء کے کلیجے برما دیئے اور کچھ نے تلواروں سے دشمنوں کی رگ حیات منقطع کر دی لیکن عزادارو! تم ہی بتاؤ کہ علی اصغرؑ ان اسلحوں سے مسلح ہو کر آئے تھے؟ میرا خیال ہے کہ علی اصغر دیکھ رہے تھے کہ میرے چچا عباس نے نیزہ سے جنگ کی اور سینکڑوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میرے بھائی علی اکبر نے تلوار سے جہاد کیا۔ اور بڑے بڑے پہلوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس لئے علی اصغر بھی کچھ ہتھیاروں سے مسلح ہو کر نکلے۔ کیا عرض کروں کہ وہ کون سے ہتھیار تھے۔ وہ چھوٹے چھوٹے ہونٹوں کی کمان اور ننھی سی زبان کا تیر تھا۔ ادھر امام نے علی اصغر سے فرمایا کہ نور نظر اپنی پیاس ان ظالموں پر ظاہر کر دو۔ اور ادھر اس بچہ نے اپنے سوکھے ہونٹوں کی کمان پر خشک زبان کا تیر چلایا۔ عزادارو! یہ وہ تیر تھا جو ایک ساتھ تمام لشکر والوں کے کلیجوں کے پار ہو گیا۔ اور اولاد والے کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ بے شک حسینؑ سچ تو کہتے ہیں اس بچے نے کیا قصور کیا ہے اس کو پانی پلا دو۔

عمر سعد نے جو لشکر کی یہ بگڑتی ہوئی حالت دیکھی تو رخ کیا حرملہ کی طرف اور کہا یا حرملہ اقطع کلام الحسینؑ حرملہ کیا دیکھتا ہے حسینؑ کا کلام قطع کر دے عزادارو حسینؑ کا کلام قطع ہوتا ہے حرملہ نے تیر سہ شعبہ جلا کہ کمان میں جوڑا اور گردن علی اصغر کی تاکی۔ ادھر حسینؑ محبت بھری نظروں سے علی اصغر

کو دیکھ رہے تھے کہ تیر گلے پر پڑا اور بچہ امام کے ہاتھوں پر منقلب ہو گیا
اب حسین کیا کریں؟ چلو تو گلوئے علی اصغر سے لگا دیا۔ خون سے بھر گیا چاہا زمین
کی طرف پھینکیں آواز آئی حسین اگر اس خون ناحق کا ایک قطرہ بھی مجھ پر گر گیا
تو قیامت تک ایک دانہ بھی روئیدہ نہ ہوگا۔

حسین نے چاہا آسمان کی طرف پھینکیں ندا آئی حسین! اس خون ناحق کا
ایک قطرہ بھی مجھ تک آیا تو تا قیامت پانی کا ایک قطرہ زمین پر نہ گرے گا
آخر حسین نے وہ خون اپنے چہرے پر مل لیا اور فرمایا: اسی شان سے لپٹے
نانا رسالت مآب سے ملاقات کروں گا۔ اس کے بعد امام حسین خیمہ کی طرف
روانہ ہوئے خیمہ کے قریب آئے مگر ہمت نہ ہوئی کہ مادر اصغر کو آواز دیں
واپس ہوئے خیمہ سے پھر آگے بڑھے پھر ہمت نے ساتھ نہ دیا پھر واپس ہوئے
آخر خیمے کے در پر آکر آواز دی اے رباب اپنے بچے کو لے لو صاحب قضیہ
الحسین کہتے ہیں کہ رباب سے پہلے سکینہ دوڑ کر در خیمہ پر پہنچ گئیں
اور پردہ اٹھا کر آواز دی کہ کیوں بابا آپ علی اصغر کو پانی پلا لائے اور میں
پیاسی ہی رہ گئی؟ امام نے عبا کا دامن ہٹایا سکینہ کی نظر لاش پر پڑی اور بچی
پر چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ اب رباب بھی قریب آ چکی تھی بچہ کی لاش
دیکھ کر دل شکستہ ماں اور کیا کہتی صرف اتنا زبان پر جاری ہوا کہ اشک لاکے بیٹا
کیوں فرزند کیا تیری عمر کے بچے بھی ذبح کئے جاتے ہیں" مطلب رباب
کا یہ تھا کہ تیری عمر کے تو جانور تک ذبح نہیں کئے جاتے۔ اے میرے لال
تجھ پر کسی نے رحم نہ کیا۔

مجلس دوم

أعوذ بالله … الشیطٰن الرجیم ۝ بسم الله الرحمٰن الرحیم ۝
الحمد لله رب … العٰلمین والصلوٰة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین
… نبینا ابی القاسم محمد وآله الطیبین
الطاهرین … اما بعد فقد قال الله تعالیٰ وتبارک فی کتابه
المبین وهو … اصدق القائلین۔ یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی
الی ربک راضیة … مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی
جنتی ۝ (پارہ ۳۰ سورہ فجر … آیت ۲۷)

قرآن کریم … ارشاد رب العزت ہے کہ اے نفس مطمئنہ تو اپنے رب کی
طرف پلٹ آ۔ … تجھ سے راضی اور تو خدا سے راضی۔ میرے خاص بندوں
میں شامل ہو کر … جنت میں داخل ہو جا۔ نہ وقت ہے نہ مناسب محل کہ
میں اس وقت … کے جھگڑوں میں الجھوں کہ کون مفسر کیا کہتا ہے
کیا صحیح ہے … یا غلط۔ کونسی تفسیر قابل اعتبار ہے اور کونسی تفسیر قابل
رد ہے۔ اس وقت … مجھ کو صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ ہمارے ائمہ معصومینؑ
کا ارشاد ہے کہ … آیت ہمارے مظلوم امام حسینؑ ابن علی کی شان میں ہے
اور یہ سورہ حسین ابن علی کا سورہ ہے۔ نفس مطمئنہ آپ کی ذات تھی اور

آپ کے بلند ترین کارناموں کی مقبولیت میں یہ آیت مصداق کے اتری لہذا میں نے اسی تفسیر پر عمل کر کے اس خاص آیت کو اس مجلس میں تذکرہ حسین ابن علی کرنے کے واسطے اپنا سرنامہ قرار دیا۔

میں اس وقت عالم انسانیت کے ہر انصاف پسندوں سے سوال کر رہا ہوں اور میرا خطاب اس وقت ہر اس انسان سے ہے جس نے کبھی اسلام کے مظلوم بیکس مگر باہمت ایمان کے دھنی حسین ابن علی کے کارناموں پر گہری نظر ڈالی ہو کیا کوئی انصاف پسند مجھ کو عالم کی کوئی ایسی ہستی بتا سکتا ہے جس نے اصول کی پابندی اور مذہب کی حمایت میں ظلم و جور کا اس ثبات قدم کے ساتھ مقابلہ کیا ہو جس طرح حسینؑ نے کیا جس کے نتائج و اثرات سے دنیا یوں انگشت بدنداں ہوئی جس طرح حسینؑ کی شہادت کے اثرات و نتائج نے انگشت بدنداں کر دیا اسلام کی معجز نما کتاب، قرآن مجید نے اسی انسان کی مدح کرتے ہوئے ارشاد کر دیا تھا۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ہم نے انسان کو سمجھا دیا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے ماں کو اس وقت بھی غم ہوا جب وہ انسان بطن مادر میں آیا اور اس وقت بھی صدمہ اٹھانا پڑا جب وضع حمل ہوا یہی انسان جب چالیس برس کے سن تک پہنچا تو اس نے دعا کی کہ مجھ کو اپنا شکر گزار قرار دے اور میری مدد کر کہ میں کوئی ایسا بہترین کام کر جاؤں جس سے تو راضی ہو جائے۔

تفسیر بتاتی ہے کہ یہ انسان حسین تھے جن کے چالیس برس کے سن کی دعا اٹھارہ برس کے بعد پوری ہوئی اور سالہ میں اس مظلوم انسان نے

وہ کارنمایاں کیا جس سے تمام عالم انسانیت لرز گیا غم والم کی گھٹائیں تمام دُنیا پر چھا گئیں گراں بادلوں نے اشک عزا کے ساتھ ساتھ مدح و ثنا کے گوہر اس مظلوم و بیکس پر نچھاور کرنا شروع کئے اور دلی تاثرات کے ساتھ ہر زبان اظہار رضا پر مجبور ہو گئی

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب سے دنیا قائم ہوئی اس وقت سے اب تک اور اب سے قیامت تک ہزار ہا نہیں بلکہ لاکھوں ایسے انسان پیدا ہوئے اور پیدا ہوں گے جن کے اعمال نے خوشنودی خالق کا شرف حاصل کیا سب سے زیادہ رضا الٰہی کے مستحق انبیاء و مرسلین متقین و صالحین مگر میں ایمان والوں سے اسلام والوں سے بلکہ دنیا کے ہر انسان سے دریافت کرتا ہوں کہ کسی نے ایسا بھی کوئی عمل صالح کیا جو کارنامہ حسینی کے مقابلہ میں آسکے دکھائے دنیا مجھ کو کوئی ایسا نیک عمل جس سے رسول راضی۔ امام راضی۔ مومن راضی ہر انسان راضی اور خدا راضی شیعہ۔ سنی۔ ہندو عیسائی یہودی۔ نصرانی کون سا وہ انسان ہے جو حسینی قربانی کا کسی نہ کسی صورت سے مداح نہ ہو۔ عالم اسلامی سر تسلیم خم کئے ہوئے کہ جس نواسہ کی شہادت خانہ حسن رسالت وہ حسین ابن علی ہے اہل تصوف مکاشفہ کے عالم میں رطب اللسان کرتا کہ بنا لا الٰہ است حسین۔ ایمان والوں کے دلوں کی ڈھارس کہ شفاعت کا ذریعہ حسین ابن علی مخلوق خدا میں ہر بشر معترف کہ یہ شہید مظلوم ہر عزت کا مستحق دنیا پرست کہنے کو تیار کہ جب چارہ و تدبیر کچھ نہ ہو تو ظلم کا مقابلہ یوں کرو جس طرح حسین نے کیا سیاست کے

بتا رہے اقرار کر رہے ہیں کہ شہادت ہی سیاست کا بہترین سبق تھی۔

انقلاب پسند نظریں جمائے ہوئے ہیں کہ سلطنتوں کا تختہ یوں پلٹو جس طرح حسین نے پلٹا۔ لشکروں کے سردار ساتھ والوں کی ہمت بڑھا رہے ہیں کہ زبردست دشمن سے یوں لڑو جس طرح حسین لڑے مصیبتوں میں مبتلا دلوں کو تسکین دے رہے ہیں کہ صبر یوں کرو جس طرح حسین نے کیا۔ اتحاد کے دلدادہ مثالیں دے رہے ہیں کہ دل سے دل یوں ملا دو جس طرح حسین کے ساتھی۔ سرمایہ داری کو مٹانے والے نظیریں پیش کر رہے ہیں کہ غرور و تکبر کو یوں کچل دو جس طرح حسین نے کچلا۔ حدیہ ہے کہ لسان قدرت کی آواز ہے یَا اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ اے نفس مطمئن اے صبر اطمینان کے مالک میرے احکام کی مکمل تعمیل ہو چکی اب دنیا کے مصائب کو چھوڑ دے میری بارگاہ تقرب تیری قیام گاہ ہے میں تجھ سے راضی اور تو مجھ سے راضی امام جعفر صادقؑ کی حدیث ہے کہ اس آیت کے مصداق حسین ابن علی ہیں اور سورہ فجر کا سورہ سورۂ حسین ہے اس حدیث نے ہمت افزائی کی اور یہ کہنے پر تیار ہوں کہ جب سورہ کا آخر ذکر حسین تو ممکن ہے کہ سورہ کی ابتداء میں بھی یہی ذکر ہو۔ ارشاد قرآنی ہے وَالْفَجْرِ وَلَیَالٍ عَشْرٍ قسم ہے صبح کی اور دس راتوں کی اور قسم ہے شفع اور وتر کی اور قسم ہے رات کی جب وہ ختم ہو رہی ہو دنیا کو کہنے دیجئے کہ اس سے عید الاضحیٰ کا دن اور ذی الحجہ کی دس راتیں مراد ہیں مگر میرا دل کہتا ہے کہ صبح، صبح عاشورہ تھی جس میں حسین ابن علی زمین کربلا پر تیمم کر کے فریضۂ سحری ادا کر رہے

تھے اور دس راتیں عشرہ محرم کی راتیں تھیں جس سے زائد سخت راتیں رنج و ملال کی راتیں خدا کو پسند راتیں عالم میں کبھی نہیں گزریں اور یہ تو حدیث نے بھی کہا کہ شفع سے مراد حسن و حسین اور وتر سے مراد علی ابن طالب۔ اب رہی وہ رات جو قریب ختم تھی تو ممکن ہے کہ ظلم و جور کی وہ رات مراد تھی جس کو یزیدی اعمال نے دنیا میں پھیلا دیا تھا۔ اور جس نے تعلیم اسلام کو ڈھانک لیا تھا۔ وہی رات صبح عاشورہ حسینی قربانی کے نور سے ختم کے قریب تھی۔

اس میں شبہ نہیں کہ صبح عاشور اداس تھی گریبانِ سحر چاک تھا ابھرتے ہوئے آفتاب کے چہرے پر زردی تھی فضا عالم لرزاں، شبنم گریباں۔ فلک سینہ فگار۔ نگاہ انجم بے نور۔ رنج و غم کی دنیا پر حکومت نماز گزار سربسجود حسینی لشکر سرفروشی پر تیار۔ اہل حرم غم کی تصویر۔ بچے پیاس سے قریب بہ ہلاکت۔ مگر بنی ہاشم کے شیر شوق جنت میں بے چین اور رسول کا بے کس و مظلوم نواسہ محو مناجات تیاریاں تھیں اور مسافروں کے لشکر میں زبردست تیاریاں کہ پیاس نہیں زخم کھائیں۔ قتل ہو جائیں۔ گھر مٹ جائیں۔ اور عورتیں اسیر ہو جائیں۔ مگر ظلمت کفر مٹا کے چھوڑیں۔ ظلم یزیدی فنا کر کے دم لیں۔ بنی امیہ کا دور مٹا کے رہیں۔ غافل دنیا کو جگا کے سوئیں اور اس منظر کو دیکھ کے۔ قرآن کی آواز تھی وَالْفَجْرِ وَلَیَالٍ عَشْرٍ قسم صبح عاشور کی جب ایمان کا نور طالع ہوا وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ اور ظلم کی رات ختم کے قریب پہنچی۔ آفتاب نکلا۔ دھوپ پھیلی۔ دن بڑھا۔ دونوں طرف صفیں

جمیں۔ جنگ چھڑی۔ ادھر مجرا ادھر لعل، ادھر نور ادھر ظلمت۔ آخر نور بڑھنا
شروع ہوا تاریکی نیست و نابود ہوتی گئی۔ دن ڈھلتے ڈھلتے ظہر کا وقت قریب
آیا۔ لڑائی انتہائی عروج پر پہنچی۔ جس وقت زوال آیا ہوگا، تھا کہ ایمان
والوں نے نماز کی صفیں جمائیں اور دشمن نے اجازت نماز نہ دے کر زوال
اسلام کا پتہ دیا۔ آفتاب رنگ عالم دیکھتا ہوا نقطہ عصر کے قریب آیا اور قرآن
کی زبان سے آیت دہرائی۔ وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي ... عصر کی قسم
ہر انسان نقصان میں ہے البتہ وہ فائدہ میں ہیں جو ایمان لائے اور آپس میں
ایک نے دوسرے سے صبر اور حق کی وصیت کی۔ میں نہیں کہتا کہ یہ آیت یہی
ہے لیکن یقیناً آیت کے بہترین مصداق کربلا والے تھے جو اس لئے
نفع میں تھے کہ مومن تھے اور اس لئے فائدے میں تھے کہ ایک دوسرے کو
حق کی اور صبر کی وصیت کر رہے تھے جنت فراق میں بے چین تھی حوریں
آغوش تمنا کھولے ہوئے تھیں۔ رضائے خدا سروں پر سایہ فگن تھی رحمت
باری گھیرے ہوئے تھی ان وفاداروں کے خون کا ہر قطرہ تمام عالم پر سکہ
جما رہا تھا۔ لہو کی دھاریں ظلم کی ہر بستی بہا دینے پر تیار ... مظلومیت
کا لشکر تمام دنیا کو فتح کر لینے پر آمادہ تھا گرم زمین پر ... سر جسم حکومت
کے تحت الٹ دینے پر آمادہ تھے۔

جب یہ تمام سامان مکمل ہو چکا تو ابو علی کا لال خود رخصت آخر کے لئے
خیمہ میں آیا بہن نے بھائی کے لئے مسند بچھائی حسین نے فضہ کو الگ بلایا اور
ارشاد کیا کہ فضہ! دیکھو فلاں صندوق میں اس طرح کا ایک لباس رکھا

ہے پردہ جایا کرے تاکہ دیکھ میری بہن کی نظر نہ پڑنے پائے
فضہ جلدی سے لباس لے کر واپس ہو رہی تھیں کہ جناب زینب کی نظر پڑ گئی۔
فضہ کیا بات ہے؟ فضہ نے جواب میں پس و پیش کی زینب نے اپنے حق کی قسم دی۔ مجبور ہو کر کہا بی بی آپ کے بھائی نے فلاں لباس مانگا ہے وہی لے کر جا رہی ہوں بس یہ سننا تھا کہ زینب نے چیخ مار کر روئیں اور ارشاد فرمایا کہ فضہ یہ کیوں نہیں کہتی کہ میرے بھائی کا کفن لے کر جا رہی ہے ہائے میری ماں انتقال کے وقت فرما گئی تھیں کہ زینب جب حسین یہ لباس زیب جسم کریں تو جان لینا کہ وقت شہادت قریب آ گیا ہے۔
آیا وہ لباس اور امام نے اس کو پہن کر جگہ جگہ سے چاک کر ڈالا۔ زینب نے دریافت کیا کہ بھیا یہ لباس آپ نے کیوں چاک فرما دیا۔
حسین فرماتے ہیں کہ بہن میں جانتا ہوں کہ بعد شہادت لوگ میرا لباس لوٹنا چاہیں گے اس لئے میں ایسا لباس پہننا چاہتا ہوں جو بالکل بے قیمت ہو شاید اس طرح میری لاش عریاں ہونے سے محفوظ ہو جائے۔
بس اب حسین کھڑے ہو گئے سکینہ کو پیار کیا۔ بہن کو نگاہ حسرت سے دیکھا، فضہ کو آخری سلام کیا اور خیمہ کے باہر تشریف لائے۔ اب در دولت پر سناٹا ہے۔ نہ قاسم ہیں نہ عباس ہیں نہ علی اکبر کون رکاب پکڑ کر حسین کو گھوڑے پر سوار کرے؟ میرا دل کہتا ہے کہ حسین نے کہا ہوگا کہ اے بھیا عباس کہاں ہو؟ آ کر بھائی کو سوار کرو۔ اے قاسم کہاں ہو آ کر چچا کا۔

بازو سنبھالو اے باپ کی جان علی اکبر کہاں ہو؟ آکر ضعیف باپ کی رکاب تھامو۔ شاید حسین کی یہ آواز خیمے میں پہنچ گئی زینب در خیمہ پر آئیں اور رکاب پکڑ کر بھائی کو سوار کیا اور راکب دوش رسول فرس کو مہمیز کرکے آگے بڑھا۔ سیدانیاں دل سنبھال رہی تھیں مگر سنبھلتا نہ تھا آنسو روک رہی تھیں مگر رکتے نہ تھے بال کھلے۔ ردائیں گریں دل بیٹھے۔ آنسو چلے۔ الوداع والفراق کا شور بلند ہوا۔ حسین لشکر کے قریب آئے۔ اور ایک مرتبہ پھر اتمام حجت کرنا چاہی۔

اے مسلمانو! دیکھو یہ میرے سر پر رسولؐ کا عمامہ ہے یہ میرے زیر ران رسول کا فرس ہے۔ یہ میرے ہاتھ میں علی کی تلوار ہے۔ اے مسلمانو! اب اس دنیا میں میرے علاوہ رسول کا نواسہ علی کا فرزند۔ فاطمہ کے ـــــ دل کا ٹکڑا۔ اور نظر نہ آئے گا۔ مگر حسین کی بات کا جواب تیروں سے دیا گیا۔ تلوار دل سے دبا گیا۔ اب حسین نے بھی تلوار کھینچ لی۔ عزادارو! بتاؤ علی کا لال کیونکر جنگ کرے صبح سے لاشیں اٹھاتے اٹھاتے ہاتھ پیروں کی قوت زائل ہو چکی عباس کی جدائی کمر توڑ چکی۔ علی اکبر کی شہادت۔ آنکھوں کی بصارت لے چکی علی اصغر کی آخری مسکراہٹ۔ قلب کی طاقت ختم کر چکی۔ مگر نہیں اس عالم میں بھی حسین نے وہ جنگ کی جو یادگار زمانہ۔ وہ جنگ کی جس نے علی کی یاد تازہ کر دی وہ جنگ کی کہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے لیکن حسین تو ادھر جنگ میں مصروف ہیں اور ادھر آواز قدرت آئی کہ بس میرے حسین بس شجاعت کے جوہر دکھا چکے۔ اب ذرا صبر کی قوت دکھاؤ یہ سنتے ہی حسین

نے تلوار روک لی۔ اب قریب سے حملہ ہونے لگے پیشانی پر پتھر پڑا سینہ پر تیر پڑا نیزوں نے پہلو زخمی کیا۔ برچھیاں دل کے پار ہو گئیں اور ایمان کا آخری تاجدار۔ دو عالم پر قبضہ کر لینے کا متمنی دو چار۔ دس بیس نہیں۔ ایک ہزار نوسو اکاون زخم کھا کر زین فرس پر ڈگمگایا۔ عباس اٹھو۔ بھائی کا بازو پکڑو۔ اکبر اٹھو باپ کو سہارا دو قاسم بڑھو چچا کو سنبھال کے اتار دو۔ اگر کوئی چاہنے والا زندہ نہیں تو لشکر والو تم ہی راستہ دو کہ بے کس بہن سہارا دے کر بھائی کو اتار تو لے۔ مگر بھائی نہیں۔ فرزند نہیں۔ بھتیجہ نہیں۔ بہن کا راستہ فوجوں نے روکا لیکن میرا دل کہتا ہے کہ نانا بسم اللہ کہہ کر بڑھے ہوں گے باپ نے حسین کا بازو سنبھالا ہوگا۔ ماں گود پھیلا کے جلتی زمین پر بیٹھی ہوگی۔ کہ آ میرے بچے آ۔ اپنے کانپتے زانوں پر سر رکھ لوں بسر کٹے تو میری گود میں کٹے۔ بہن گھبرا کے خیمہ سے نکلی۔ میرا بے کس بھائی۔ میرا پیاسا بھائی۔ ارے میں عبا کا سایہ تو کر لوں۔ اگر مل جائے تو پانی تو پلا دوں اور ادھر فلک سے آیت اتری یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِی اے نفس مطمئنہ۔ اے جان صبر و سکون اے میرے حسینؑ اطمینان کی منزلوں سے گزر کر صبر کی راہوں سے بلند ہو کر میرے تقرب کی منزلوں میں واپس آ فتح و فیروزی کا تاج تیرے لئے میری جنت تیرے لئے ساری دنیا تیری۔ دلوں پر قبضہ تیرا۔ بس میرے حسین بس مصیبت کی تمام دنیا ختم ہو چکی۔ اب ظلم و جور کی تمام کوششیں تیرے نورانی کارناموں کو اپنے سیاہ دامن سے ڈھانک نہیں سکتیں۔ میں تجھ سے راضی اور تو

مجھ سے راضی۔

ہاں یقیناً اس مظلوم نے وہ کام کیا کہ خدا راضی۔ رسولؐ راضی۔ علیؑ راضی فاطمہ راضی۔ یہی نہیں حسین کا انداز شہادت وہ تھا کہ ہر مومن و مسلم راضی۔ ہر دین و مذہب مداح ہر زبان پر حسین کا نام۔ حسین کی سیرت حسین کا ایثار۔ حسین کی سیاست۔ حسین کی شجاعت۔ حسین کی سرفروشی واللہ کہ اے حسین کار سے کردی

میرا دل اور انصاف پسند کا عقیدہ کہہ رہا ہے کہ جب آدمؑ نے حسینؑ پر نگاہ کی ہوگی تو گلے لگایا ہوگا کہ حسین تم نے میری نسل کو ملائکہ سے بہتر کر دیا۔ نوحؑ خوش کہ تم نے اسلام کی کشتی پار لگائی۔ ابراہیمؑ راضی کہ میری خلت نباہ گئے۔ اسماعیل ممنون احسان کہ ذبیح فرات تم نے شہادت کا بار اٹھا کر مجھے چھری کے نیچے سے ہٹا لیا۔ جناب موسیٰ مدح سرا کہ تم نے ظلم کا بیڑہ ڈبو کر چھوڑا۔ جناب عیسیٰ خوش کہ تم نے میری جانفشانی پروان چڑھا دی ہاشم نازاں کہ تم نے میرے خاندان کو چار چاند لگا دیئے۔ خود محمد مصطفےٰ گلے سے لگائے ہوئے کہ تم نے میرا دین زندہ کر دیا۔ علی سینے سے سر لگائے ہوئے کہ نور نظر ایمان کی راہیں روشن کر دیں حسن سا بھائی تاج امامت پہناتے ہوئے کہ میرے قوت بازو تو نے میری صلح کا نتیجہ ظاہر کر دیا۔ اور ماں جلتی زمین پر گود پھیلائے ہوئے کہ آ میرے بچہ آ۔ میں نے تجھ کو اسی لئے پالا تھا۔

مجلس یازدہم

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ ۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ
وَالْمُرْسَلِینَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّیِّبِینَ الطَّا
هِرِینَ ۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَتَبَارَکَ
فِی کِتَابِہِ الْمُبِینِ وَھُوَ اَصْدَقُ الْقَائِلِینَ ۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ
وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ (سورہ الذٰریٰت پارہ ۲۷ ع ۳)

خالق ارض و سما قرآن مجید میں ارشاد کرتا ہے کہ ہم نے جن و انس کو بس اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اس کے علاوہ کوئی اور غرض خلقت نہ تھی معلوم ہوا کہ انسان ایک خاص غرض سے بنایا گیا ہے اور وہ غرض جو کچھ ہے عبادت ہے۔

مجھ سے اس بات کی فرمائش کی گئی ہے کہ میں مقصدِ حیاتِ انسانی بیان کروں اور آپ کے سامنے یہ عرض کروں کہ ہم اور آپ دنیا میں کیوں آئے اس میں کوئی شبہ نہیں اور اس میں بھی کسی کو شک نہیں کہ آج نہیں تو دس برس کے بعد اور دس برس نہیں تو سو برس کے بعد موت کا آنا ضروری ہے جب یہ دونوں باتیں معلوم ہیں تو اب غور طلب یہ امر ہے کہ جتنے دن

زندگی کے ہیں وہ کیونکر بسر کریں۔ اور کیونکر عمر کی گھڑیاں گزریں ایک صورت تو یہ ہے کہ کھیل کود میں بسر کی۔ ناچ گانے میں عمر گزری۔ کھانے پینے کی فکر رہی حرام و حلال سے غافل رہے رات آئی تو سو رہے۔ صبح ہوئی تو جاگ اٹھے بھوک لگی کھا لیا پیاس لگی پانی پی لیا۔ گرمی میں گرمی کی شکایت جاڑے میں سردی کا گلہ کیا۔ یونہی عمر گزرتی رہی یکایک موت کا حملہ ہوا۔ اور اتنی بھی مہلت میسر نہ ہوئی۔ کہ بستر پر لیٹنے کی فکر کرتے طبیب دوائیں سوچتے رہے اور مریض کا کام ختم ہو گیا چلئے زندگی گزر گئی نہ زحمت ہوئی نہ مصیبت سہی۔ ایک زندگی یہ تھی۔ مگر اسے انسانی زندگی نہیں کہہ سکتے۔ یہ جانوروں کی زندگی کا طرز ہے اور حیوانیت کے جز کا مقتضیٰ۔ ایسی زندگی انہیں کو مبارک جو آج تک یہ نہ سمجھے کہ ہم انسان ہیں یا حیوان ہیں۔ یا انسان کی نوع میں داخل ہیں۔ عمر کے آخری لمحوں تک یہ تمیز نہ ہوئی کہ ہماری اصل حقیقت کیا ہے؟ اور ہم بھی انسانوں میں داخل ہیں لیکن جو لوگ سمجھتے ہیں کہ حیوان اور ہے اور انسان اور ہے۔ جانوروں کی زندگی اور ہے اور ہماری اور ہے۔ جانوروں کے کام اور ہیں اور ہمارے کام اور ہیں ایسے لوگوں کو فکر ہے کہ طولانی زندگی ہو یا مختصر۔ مگر ایسے کاموں میں صرف ہو جو انسانی افعال کہے جائیں اور جانوروں کے افعال سے الگ ہوں ایسے لوگ دو طرح کے ہیں کچھ وہ جو خدا کو مانتے ہیں اور کچھ وہ جو اللہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں

اگرچہ کائنات کا ایک ایک ذرہ اور عالم کا نظم و ضبط پکار پکار کر اس

نظریہ کی تردید کر رہا ہے مگر میں تو اس وقت ان لوگوں ہی سے خطاب کر رہا ہوں اور یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بحیثیت نظام زندگی بھی اس وقت اسلام سے بڑھ کر کوئی نظام زندگی نہیں۔

میں اس طریقہ سے کلام نہیں کر رہا ہوں جس طرح کسی عقیدتمند مسلمان سے خطاب ہو بلکہ میرا طرز سخن یہ ہے کہ جیسے کسی مسلمان سے خطاب نہیں بلکہ وہ لوگ مخاطب ہیں جن کو اسلام سے کوئی ربط نہیں اس لئے اب مجھ کو ضرورت ہے کہ آیت کو ابھی چھوڑ دوں اور عقل کی روشنی میں آگے بڑھوں۔

آج کل دنیا میں شور ہے اور ہر زبان پر لفظ فطرت جاری ہے اور پھر یہ لفظ نئی بھی نہیں بلکہ قرآن میں اس لفظ کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ یعنی اے رسولؐ ہر طرف سے اپنا منہ پھیر کر دین کی طرف رخ کر لو یہ خدا کی فطرت ہے جس فطرت پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ فطرت کی لفظ نئی نہیں ہے۔ بلکہ خدا نے بھی انسان کے لئے فطرت قرار دی ہے۔ اور وہ فطرت وہ فطرت ہے جس کو دین کا لقب دیا گیا ہے اور یہی وہ فطرت ہے کہ جس کے متعلق ارشاد کیا گیا۔ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔ خلق خدا بدل نہیں سکتا۔ لہذا۔ اب مجھے ضرورت ہے کہ میں آپ کے سامنے یہ عرض کروں کہ دین اور فطرت ایک ہیں اور اس کے بعد یہ بتاؤں کہ فطرت عین دین ہے اور دین بجنسہٖ فطرت ہے اور اس کے بعد یہ عرض کروں کہ فطرت پر اگر چلنا ہے تو دین کا راستہ

اختیار کیجئے۔

میں اس بات کو سمجھ رہا ہوں کہ میرا بیان ابھی صاف نہیں ہوا اور ممکن ہے کہ بعض حضرات نہ سمجھے ہوں کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں اس لئے ضرورت ہے کہ میں اپنے مطلب کی تفصیل کردوں۔

سنئے! میں آج یہ چاہتا ہوں کہ انسانی زندگی کا مقصد بتاؤں مگر یہ طریقہ اختیار نہ کروں جو عام طریقہ سے اختیار کیا جاتا ہے۔ بلکہ ایسے راستہ سے گزر کروں جہاں میرے سوا کسی کے قدم نظر نہ آئیں اور وہ راستہ یہ ہے کہ طریقہ خلقت اور طرز فطرت سے یہ ثابت کروں کہ مقصد حیات انسانی کیا ہے؟ اور اس کے بعد یہ بتاؤں کہ جو امر فطرت انسانی سے۔ بلکہ خلقت عالم پر نظر کرنے سے مقصد حیات انسانی ہو سکتا ہے۔ وہی امر مذہب اسلام کے اعتبار سے مقصد حیات انسانی ہے اور اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے جو طریقہ طرز فطرت متعین کرتی ہے وہی طریقہ مذہب اسلام نے اختیار کئے ہیں اور اسی لئے ماننا پڑے گا کہ اسلام عین فطرت ہے اور فطرت عین اسلام ہے اسی کو قرآن میں مجمل الفاظ میں یوں کہا ہے فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا۔ اپنا رخ ہر طرف سے پھیر کر دین کی طرف کر لو۔ اور ہر چیز کو چھوڑ کر دین کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ یہی وہ خدا کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ایک جگہ ارشاد کیا إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ خدا کے نزدیک جو دین ہے وہ محض اسلام ہے دوسری جگہ

ارشاد ہوا کہ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا۔ یہ دین فطرت خدا کا ہے کہ جس فطرت پر خدا نے انسانوں کو پیدا کیا ہے لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ خلق خدا نہیں بدلتا اور مفسرین نے لفظ خلق کی تفسیر دین سے کی تو یہ نتیجہ صاف ہے کہ دین فطرت اور خلقت گویا لفظیں الگ الگ ہیں۔ مگر معنی ان سب کے ایک ہیں۔ اسلام۔ وہی اسلام دین بھی ہے۔ وہی اسلام فطرت بھی ہے اور وہی اسلام طرز خلقت خدا بھی جس کے کبھی نہ بدلنے کی خبر ہے تو اب مجھے اختیار ہے کہ چاہے اسلام کے اقوال سے اس بات کو ثابت کروں کہ زندگی کا مقصد کیا ہے۔ تاکہ اسی کے مطابق عمل ہو اور چاہے یوں کتاب فطرت سے درس لوں اور عمر کا مقصد حاصل کروں مگر یہ بات اچھی ہے کہ اسلام کا لفظ آنے نہ پائے اور حدیث و قرآن کھلنے نہ پائے فقط کتاب خلقت پڑھتا رہوں۔ اور ورق فطرت اُلٹتا رہوں۔ مگر خاتمہ کتاب وہیں جہاں حدیث و قرآن کی منزل ہے اور نتیجہ کلام وہی نکلے جو دین اسلام کا حاصل ہے۔ منزل میری سخت ہے راہ دشوار گزار ہے۔ مرکب عقل کمزور ہے چراغ علم مدہم ہے۔ اور اسی سے راستہ طے کرنا ہے۔ دعا کیجئے کہ گمراہ نہ جاؤں اور منزل کلام مل جائے۔

سنئے اور ذرا غور سے سنئے: عمر رواں ایک مسافر ہے اور ہر ساعت سواری چل رہی ہے۔ دن کو راستہ کٹ رہا ہے رات کو منزل گذر رہی ہے ہر شخص اسی سفر میں ہے اور ہر موجود اسی کا پابند۔ تو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ منزل قرار کہاں ہے اور سواری کہاں رکے گی۔؟ وہ مسافر بھٹکتا ہے

جس کو یہ نہ معلوم ہو کہ کہاں جاؤں گا؟ اور وہ مسافر مطمئن ہے جس کو معلوم ہے کہ کہاں جانا ہے۔ یہی طریقہ ہر انسان کا ہے۔ اگر اس کو معلوم ہے کہ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے تو وہ بہت مطمئن ہے۔ ایسے افعال پر عمل کرتا ہے جو اسے منزل مقصود تک پہنچا دیں ایسے زاد مہیا کرتا ہے جو منزل تک رسائی کر دیں مگر جسے نہیں معلوم کہ مقصد حیات کیا ہے وہ اس نافہم کے مانند ہے جو گھر سے باہر نکل آیا۔ مگر جانتا نہ ہو کہ کیوں نکلا اور کدھر جاؤں گا؟ کونسی سواری حاصل کروں گا؟ اور کیا زاد راہ لوں؟ اس لئے ضروری ہے کہ جب زندگی کی منزل میں قدم رکھئے اور عقل کا چراغ روشن ہو جائے تو پہلے مقصد حیات سمجھئے کہ جو کام کیجئے وہ ایک تمام نظم کے اندر ہو ایک خاص سلسلہ کی کڑی ہو اپنی منزل معلوم اور اسی منزل کو مقصد ہو۔

اچھا تو اب میں عرض کروں کہ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے۔ ہماری عمر کی غرض کیا ہے پہلے آپ سے یہ بتاؤں کہ زندگی کی غرض صرف یہ ہے کہ مرغن اڑاتے رہئے مزے مزے کی غذائیں کھائیے جو بہتر سے بہتر وہ دسترخوان کی زینت ہو اور جہاں تک معدہ میں بھر سکے وہاں تک ہاتھ رکنے نہ پائے سوء ہضم کا خوف کیا؟ طبیب کا دروازہ موجود ہے۔ تولہ بھر دوا پہنچ جائے گی اور کھانا ہضم ہو جائے گا۔ یہی مقصد زندگانی ہے اور یہی حیات کا فائدہ ہے! مگر یہ بات ضرور ہے کہ پھر ہم میں اور جانوروں میں فرق نہیں انکی غذائیں عمدہ ہیں ان کے کھانے لطیف ہیں اور مزے اچھے ہیں وہ صحرا کے پھل کھاتے ہیں انہیں کے بیچ بچائے ہیں جن سے انسانی ذہن کی لذت ہے

آپ اسے یقین کریں کہ غذا کے معاملے میں جانور ہم سے بہت بہتر ہیں۔ بلا مشقت کھاتے ہیں۔ بلا محنت کھاتے ہیں۔ پھر اس پر مزید لطف یہ ہے۔ کہ آپ کی زندگی گزر گئی۔ مگر پیٹ کی حد نہ ملی۔ اسی کا نتیجہ بدہضمی ہے۔ مگر آپ مجھ سے بتائیں کہ جانور کو بدہضمی دیکھی ہے؟ ان جانوروں کو نہ دیکھئے۔ جو آپ کے یہاں اسیر ہیں آپ کے ہاتھ میں ان کی غذا ہے۔ آپ ہی کے سے مرض ہیں۔ ان جانوروں کا حال بتائیے جو صیاد کے دام سے دور ہیں اور خود مختار زندگی بسر کرتے ہیں اک ذرا مجھ کو کوئی بتائے کسی حیوان کو دیکھا ہے۔ کہ بحالت کے عالم میں پڑا ہو کھانسی کی اس کو شکایت ہو۔ کوئی مرض موجود ہو۔ میں نے تو جناب کبھی نہ دیکھا اور کسی صحرا کے جانور کو مریض نہ پایا اور مجھے یقین ہے کہ آپ نے بھی کبھی بیمار نہ پایا ہوگا۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کیوں؟ بات یہ ہے کہ معدہ تمام امراض کی اصل ہے اور انسان کو پیٹ کا اندازہ نہیں اسی وجہ سے بیماریوں میں گھرا رہتا ہے اور جانوروں کو اپنے پیٹ کا اندازہ ہے اس وجہ سے مرض الگ رہتے ہیں اور اس کے بعد یہ بھی ہے کہ آپ نے ہزاروں طرح کی غذائیں کھائیں۔ مگر آج تک پتہ نہ چلا کہ کس غذا میں زہر ہے اور کس میں فائدہ ہے۔ کونسی غذا قاتل ہے۔ اور کونسی غذا سبب بقاء زندگی ہے؟ کس غذا سے مرض آتا ہے اور کس غذا سے مرض جاتا ہے مگر حیوان کی قوت دیکھئے اور اس کے امتیاز کی حد دیکھئے کہ صحرا میں پھل بیشمار ہیں وہ بھی ہیں جن میں فائدہ ہے مگر کبھی کوئی جانور بھول کر بھی ان پھلوں کا رخ نہیں کرتا جن میں زہر کا اثر ہو اور اگر کبھی منہ بڑھ بھی گیا تو

ناک نے خوشبو بتا کے ہٹایا کہ ادھر نہ جانا۔ زہر ہے۔ پھر اگر یہی مقصدِ حیاتِ انسانی ہے تو جانور انسان سے بہتر ہے۔ کیونکہ جانور اس مقصد میں کمال تک پہنچ گیا اور انسان اتنی مدت کے بعد بھی ابھی پہلے ہی زینہ پر موجود ہے لہٰذا یہ مقصد نہیں ہے ورنہ فطرت نے جس طرح حیوان کو قوتِ امتیاز دی ہے اسی طرح انسان میں یہ قوت موجود ہوتی۔

اچھا پھر آیئے! یہ کہوں کہ لباس زندگی کا مقصد ہے عمدہ عمدہ پہنئے نئے نئے کپڑے بنایئے خوب زیب و زینت کیجئے یہ زندگی کا مفاد ہے مگر جناب تو یہ کیجئے جانور اس میں پھر بھی بہتر آپ کو اس کی ضرورت ہے کہ مشقت کر کے دھاگہ بنایئے پھر ان دھاگوں سے لباس بنائیے۔ پھر اس لباس میں رنگ دیجئے پھر اس کے مناسب ٹکڑے جوڑیئے تب جسم کی زینت ہو مگر پھر بھی ضرورت ہے کہ گرمی کا لباس اور ہو جاڑے کا لباس اور ہو۔ برساتی رنگ ہو اور بہار کا رنگ دوسرا ہو۔ پھر بوسیدہ ہوں تو بدل ڈالئے۔ میلے ہوں تو اتار دیجئے مگر قدرت کا راز سمجھئے کہ حیوان کو جب مجبور دیکھا تو پیدا قدرت نے لباس بنایا اور ایسا نرم و نازک بنایا کہ آپ کے اکثر بیش قیمت لباس انہی کی بدولت ہیں۔ پرندوں کے لباس دیکھے ہوں گے اونی لباس پہنے ہوں گے۔ شال جس کا نام ہے وہ لاکھ قیمتی کیوں نہ ہو مگر ایک بھیڑ کے جسم کی اترن ہے جسے پہن کر انسان اکڑتا ہے پہلے لباس کی صفت دیکھئے کہ گرمی میں اتارنے کی ضرورت نہیں جاڑے میں بدلنے کی حاجت نہیں برسات میں نچوڑنے کے محتاج نہیں پھر رنگوں کی زینت خدا کی پناہ ہے۔ سفید ہے

زمیل نہیں سرخ ہے تو دھبہ نہیں سبز ہے تو سبزہ نثار۔ گلابی ہے تو پھول نثار۔ نقش و نگار ہیں کہ دست صناع کو بوسہ دینے کو دل چاہتا ہے پھر ایسے لباس کہاں ممکن جو اتنی زینت کے ساتھ ہوں جس کا صاف نتیجہ ہے کہ اگر آپ کی غرض خلقت لباس ہوتی تو آپ کو بھی ویسے ہی لباس عطا ہوتے جیسے جانوروں کے جسم کی زینت ہیں۔

اچھا اگر یہ نہ سہی تو دولت جمع کرنا یہ ہوگا راحت اٹھانا یہ ہوگا غیروں کا مال چھین لینا یہ ہوگا۔ دشمن کو مغلوب کرنا یہ ہوگا۔ کہئے تو گنوا تا رہوں کہ یہی مقصد زندگانی ہے۔ مگر یہ ظاہری نظر کا دھوکا ہے یہ باتیں کہاں۔ مطلب زندگانی انسانی کہاں۔ اگر ذرا سا بھی آپ غور کریں تو آپ کی نگاہ خود ہی بتائے گی کہ انسانی زندگی کا مطلب وہ چیزیں نہیں ہو سکتیں جنکی تفصیل میں نے اوپر پیش کی کیونکہ نقطہ نگاہ یہ نہیں کہ اپنی زندگی میں ہم کیا کیا کرتے ہیں بلکہ تحقیق طلب یہ ہے کہ ہم کو کیا کیا کرنا چاہئے؟ اور پھر ان باتوں سے بھی غرض نہیں جو ہمارے جزو حیوانی نے ہمارے واسطے لازم کر دیئے ہیں بلکہ صرف انہی باتوں کو دیکھنا چاہتے ہیں جو محض انسانیت کو لازم ہیں جب اس نظر سے ہم دیکھیں گے تو ہم پر واجب ہوگا کہ جس کام کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں اسے پہلے یوں دیکھیں کہ حیوانوں میں تو نہیں ہے اگر حیوانوں میں وہ فعل موجود ہے تو ہماری غرض سے الگ ہے اور اگر حیوان اس سے خالی ہیں تو ہماری زندگی کا مقصد ہے تو اب آیئے ایک غور کی نگاہ کہ حیوان وہ فعل ہیں یا نہیں جن کی تفصیل میں پیش کر چکا ہوں۔

سنئے! دولت جمع کرنے کی غرض یہ ہے کہ راحت سے زندگی بسر کریں اور خواہشات نفسانی پورے ہوں۔ تو یہ چیزیں بھی جانوروں میں موجود ہے راحت سے دن گزارتے ہیں اور اپنی ہر خواہش کے مطابق عمل کرتے ہیں مکان بنانا یہ انسان ہی سے کچھ مخصوص نہیں حیوان بھی گھر بناتے ہیں بعض کے مکان خود یہ قدرت کے سنوارے ہوئے نرم سبزا جن میں قدرتی پھولوں کی آرائش فرش خواب گھنے درختوں کی دلفریب چھاؤں اور ان کی بھینی بھینی خوشبو سقف خانہ انہیں چڑیوں کے گھر اور ان کے حجروں کی بے نظیر شان جنکے دروازے بے حد نفیس جن کا استحکام مدید کے قابل نہ آندھی سے ان کو گرنیکا ڈر نہ پانی کے چھینٹوں سے بہنے کا خطرہ پھر اس کے بعد شہد کی مکھی جس کے انڈے بہا پرکار رفتار مساوی دائرہ خوشنما تقسیم حد کے مستحکم۔ انتہا کے مضبوط۔ اسی طرح وہ تمام چیزیں جو انسان کیا کرتے ہیں وہ بدرجہ اکمل جانوروں میں بھی ہیں پھر انسان میں شرف کیا رہا؟

لہٰذا اس کی تلاش چاہیے کہ ہم کو آخر کرنا کیا ہے۔ اور ہماری زندگی کی غرض کیا ہے؟ اس تلاش میں بہتر یہ ہے کہ ہم فطرت کے طریقہ کو دیکھیں اور اس کے آخری ثمر کو دیکھیں۔ بس جو طریقۂ فطرت ہو وہی طریقہ اختیار کریں اور جو اس کا نتیجہ ہو وہی ہمارا نقطۂ نگاہ ہو جب اس نظر سے آپ دیکھیں گے تو آپ کو فطرت بتائے گی کہ پہلے عالم موجود نہ تھا۔ پھر دنیا کی ابتداء ہوئی اور ابتداء بھی ہوئی تو سلسلے کے ساتھ ایک خاص ترتیب ملحوظ رہی یعنی کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا مرتبہ پست ہوا اور کچھ چیزیں ایسی

ہیں کہ جن کا مرتبہ پست ہوا اور کچھ ایسی چیزیں ہیں کہ جن کا مرتبہ بلند ہوا۔ یہ پستی و بلندی یوں مقرر ہوئی کہ جن چیزوں میں وجود کا ثبوت قوی تھا انکی منزلت رہی اور جن چیزوں میں آثار وجود کمزور تھے ان کی منزلت پست ہی سب سے زائد قوی آثار آپ ان چیزوں میں پائیں گے۔ جن میں مادہ نام کو نہ تھا۔ جو مجرد کہے جاتے ہیں ان کی عمریں بہت طولانی انکا علم بہت زائد ان کی قدرتیں بہت قوی یعنی عمریں اتنی طولانی کہ آخر لوگوں کو دھوکا ہوا اور زبان سے یہ بات نکل گئی کہ جس طرح خالق عالم قدیم اس کیواسطے ابتدا و انتہا نہیں۔ یونہی نفس و روح قدیم جس کے واسطے ابتداء و انتہا نہیں۔ ان کی قوتیں اتنی زبردست کہ آخر حکماء کو کہنا پڑا کہ دسویں عقل جو مجرد ہے اسی سے عالم خلق ہوا۔ اور وہ تمام عالم کی خالق ہے جاہل نہیں جو سب کو خدا مان لیتے ہیں بلکہ بڑے بڑے فلسفی بہکے اور بڑے بڑے حکماء نے کہا ...... لہذا یہ طبقہ سب سے بلند جس کے اوپر خدا کی ذات ہو یعنی وجود واجب الوجود ہے خالق موجودات اور اس کے بعد مجردات کہ جن میں بعض عقل کے مصداق اور بعض ان میں سے روح کے مصداق بعض ان میں نفس کے مصداق اور بعض ان میں سے دوسرے ناموں کے مستحق یہ طبقہ اعلیٰ تھا اب اس کے بعد دوسرا درجہ واہی کی منزل ہے جن میں عقل و نفس وہی موجود ہے جو ارواح و مجردات کو حاصل ہے۔ مگر ان میں مادہ بھی ہے۔ اور عقل اور روح سے تعلق بھی ہے۔ عقل ان کی رہبر ہو۔ قدرت کی ان میں نمود بھی ہے کوئی تو انسان جس میں نفس و روح بھی ہے عقل کا اس میں

وجود بھی ہے۔ علم بھی ہے قدرت بھی ہے اگر آثار وجود اتنے قوی نہیں جتنے مجردات میں ہیں۔

اب اس کے بعد جانور ہیں جن میں روح ملکوتی کا پتہ نہیں جن میں نفس ناطقہ کا وجود نہیں جن میں عقل و علم کا نشان نہیں لیکن پھر بھی ادراک موجود ہے اور کچھ نہ ہو تو کم از کم حواس خمسہ موجود ہیں روح حیوانی موجود ہے اور حیات کے آثار موجود ہیں۔

اب ان کے بعد درخت ہیں جن میں ہوش و حواس کا پتہ نہیں جن میں عقل و فہم نہیں۔ کوئی شئے موجود نہیں۔ لیکن پھر بھی روح ہے گو وہ روح نباتی ہے اور اس روح کے حقیقی معنی نمو کے اور بڑھنے کے ہیں۔

اب اس کے بعد پتھر ہے جس میں کوئی خاص اثر موجود نہیں صرف یہ کہنے کا مصداق ہے کہ سنگ بھی ایک چیز ہے یہ ترتیب فطرت ہے جسے ہر شخص جانتا ہے۔

اب اس کے بعد طریقۂ فطرت یہ ہے کہ ہر موجود میں تین مرتبہ ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ ایسی چیز دل سے مشابہ ہو جو اس سے درجہ کم ہیں۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اپنی اصلی حالت سے نہ بڑھے نہ گھٹے درمیانی حالت میں موجود ہو تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اپنے بلند سے مشابہ ہو جائے جتنے درجے ہیں سنے بتائے ہیں ان سب میں یہ مرتبہ نکلتے ہیں۔ سب سے پہلے پتھر کو دیکھیے مگر اس میں دو ہی درجہ ہیں ایک یہ کہ اعتدال ہو ایک یہ کہ بلند سے اپنے مشابہ ہو جائے تیسرا مرتبہ نہیں نکل سکتا کیونکہ اس سے نیچے کوئی موجود ہے ہی نہیں معتدل پتھر

جیسے عام پتھر یا سنگ مرمر یا اور پتھر مختلف رنگوں میں موجود ہیں مگر ان پتھروں میں ایک وہ بھی ہے جو اپنے بلند طبقہ سے مشابہ ہے اگر اس کو پتھر کہیے تو پتھر کی اعلیٰ قسم ہے کہ بلند درجے کی صورت ہے اور اسے اگر درخت کہیے تو درختوں کی ادنیٰ قسم ہے جن پر پتھر ہونے کا دھوکا ہے اسی کا نام ہے شاخ مرجان جس کے جسم کی شان بتاتی ہے کہ پتھر ہے اور شاخوں کا بڑھنا بتاتا ہے کہ نبات ہے اور درخت کی قسم ہے۔

اب یونہی درختوں میں غور کیجئے بعض درخت ایسے بھی ہیں جو اپنی درمیانی حالت پر قائم ہیں جیسے دنیا کے بے شمار درخت مگر بعض ایسے ہیں جو پست سے مشابہ ہیں جیسے ہی شاخ مرجان کہ اگر اس کو درخت کہیے تو جسم اس کا پتھر سے مشابہ ہے اور نمو یعنی بڑھنا۔ یہ صفت اس میں موجود ہے۔ لہٰذا یہ درخت کی ادنیٰ قسم ہے اور بعض درخت ہیں جن میں نمو کی صفت تو موجود ہے لہٰذا یہ درخت کی ادنیٰ قسم ہے اور بعض درخت ایسے ہیں جن میں نمو کی صفت تو موجود ہے مگر ان میں حس بھی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک ایسی صفت کے مخلوق ہیں کہ خواہ ان کو درخت کہئے اور خواہ ان کو حیوان کہئے حس تو انہیں اشجار و نبات میں منزل اعلیٰ دلاتی ہے۔ اور اگر انہیں حیوان کہئے تو صورت ان کی درختوں کی مشابہت دکھا کر جانوروں کی ادنیٰ قسم بتاتی ہے جیسے چھوئی موئی کا درخت۔ ادھر آپ نے ہاتھ لگایا اور ادھر پتیوں نے اپنے دامن سمیٹے جس کی غرض حقیقی یہ کہ جانور مردہ سمجھ کر چھوڑ دے اور درخت کی جان بچ جائے اب اگر آپ نے صورت

کو دیکھا تو کہنا پڑے گا کہ درخت اور اگر سیرت کو دیکھا تو کہنا پڑے گا۔ کہ
جانور ہے یہی وہ قدر مشترک ہے۔ جو حیوان کی مجلس میں ادنیٰ ہے
اور درخت کے افراد میں اعلیٰ ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے درخت
بعض ان میں سے ایسے کہ جن کی نرم و خم دار شاخیں سمٹی رہتی ہیں اس وقت
تک کہ جب تک کوئی ذی روح سایہ میں نہ آجائے اور ادہر کوئی جاندار انسان
ہو یا حیوان اس درخت کے نیچے پہنچ گیا اور ادہر شاخیں جھک پڑیں اور تمام
جسم میں لپٹ گئیں جب خوب بندش مستحکم ہو گئی تو شاخیں بلند ہونا
شروع ہوئیں اور اس کے ساتھ وہ جاندار بھی زمین سے بلند ہو گیا یہاں
تک جب روح جسم سے نکل چکی اور خون درخت کی رگوں سے جذب ہو
چکا تو خود بخود شاخیں ڈھیلی ہو گئیں اور جسم مردہ گر پڑا۔

اس طرح کچھ درخت ہیں کہ جن کے پھول دست سائل کی طرح کشادہ
ہیں ان کی رنگینی سے فریب کھا کر ادھر جانور پھول پر بیٹھا ادھر کھلا
ہوا پھول مٹھی بند کر کے پھر غنچہ بنا۔ یہاں تک جب جانور کے جسم کا خون یوں
کھینچ گیا جس طرح برگ گل سے عطر کھینچے تو پھول نے مٹھی کھول دی اور جانور
کا مردہ گر گیا۔ یہ طریقہ بتاتا ہے کہ صورت اس کی درخت کی ہے مگر سیرت
ہیں وہ حیوان ہے جس میں حس کی قوت موجود ہے۔

اب اس کے بعد حیوان ہے اس میں بھی یہی تین مرتبے ہیں ایک وہ جو
پست سے مشابہ ہے جیسے یہی درخت کہ اگر ان کو حس کے اعتبار سے نام
دیجیے تو حیوان ہونے میں شبہ نہیں۔ مگر یہ وہ ادنیٰ قسم ہے جو پست

طبقہ سے ملی ہوئی ہے اب اس کے بعد وہ تمام حیوان جو نہ درختوں کی صورت کے مشابہ اور نہ ان میں کوئی ایسی صفت جس سے ان کو اپنے سے بلند طبقہ سے مشابہت ہو مگر بعض جانور ایسے بھی ہیں جن میں انسانی صفات کا منظر ہے جیسے وہ جانور جو صورت میں انسان سے مشابہ ہیں اور ان کا ادراک اتنا قوی کہ عقل کا ان میں شبہ ہے جیسے آپ کے یہاں کے وہ جانور جن سے ڈارون کے خیال کے مطابق انسان کی ابتدائی نسل شروع ہوتی ہے بس یہی صورت انسان کی سمجھئے ان میں بھی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو پست ہیں ایک وہ جو اعتدال میں اور بیچ کے مرتبے میں ہیں اور ایک وہ جو انسانی طبقہ کی اعلیٰ فرد ہیں ان درجوں کو بھی یونہی سمجھئے کہ جس طرح آپ نے خلقت کے ہر طبقہ کی تقسیم کی ہے یونہی جن انسانوں کو دیکھئے کہ صورت ان کی انسان کی ہے مگر سیرت جانوروں کی وہ ادنیٰ درجہ کا انسان جیسے وہ لوگ جن میں درندوں کی خصلتیں موجود ہوں وہ دوست دشمن نہیں جانتے موقع محل نہیں پہچانتے۔ ظالم مظلوم سے غرض نہیں بلکہ قتل کرنا ہنر سمجھتے ہیں ظلم کرنا فضیلت جانتے ہیں یا ان کی بھوک اتنی بڑھی ہے کہ جانوروں کی طرح دن کی گھڑیاں کھانے پینے ہی میں گزر جاتی ہیں۔ جو ملتا ہے ہضم ہو جاتا ہے۔ اچھا برا نہیں دیکھتے حرام حلال نہیں سمجھتے کھانے کا وقت نہیں پہچانتے بس ان کو اس سے غرض ہے کہ کہیں نہ کہیں سے مل جائے حرام سے ملے حلال سے ملے۔ نرمی سے ملے سختی سے ملے مانگ کے ملے چھین سکے ملے اس سے

کوئی غرض نہیں کسی طرح مل جائے اور پیٹ بھرے جائے یہ بھی انسانیت سے الگ ہیں اور حیوان کی سیرت کے مشابہ یوں ہی ان کا درجہ سمجھیئے جو شکل وصورت میں آدمی ہیں۔ مگر جرأت وہمت نام کو نہیں جس میدان میں قدم رکھیں شکست کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے۔ یہ سب انسان کہے جائیں گے مگر وہی ادنیٰ طبقہ ہیں۔ اگر صورت دیکھئے تو نرے کھرے انسان ہیں اور اگر صفت وصورت دیکھئے تو اچھے خاصے جانور ہیں۔

اب درجہ ان کا جن کا عقل وفہم بھی ہے جن میں روح ونفس بھی ہے مگر حیات حیوانی بھی ہے اور جزو حیوانیت کی شرکت ہے اس لئے وہ ایسے کام بھی کرتے ہیں جو جزو حیوانی کو لازم ہیں اور وہ امور بھی بجالاتے ہیں جو ان کی انسانیت کا مقتضیٰ ہیں اگر کھاتے پیتے ہیں تو حرام وحلال دیکھ کر محل وقوع سمجھ کر اگر قدم بڑھاتے ہیں تو بڑھنے کی حد سمجھ کر اگر پیر بڑھاتے ہیں تو ہٹنے کی جگہ دیکھ کر نہ ان میں حیوانوں کی سیرت ہے نہ ملائکہ کی ان میں صفت ہے یہی انسانوں کا وہ گروہ ہے۔ جو درجہ اعتدال میں قائم ہیں۔

اب تیسرا گروہ ایک اور ہے۔ جو شکل وصورت میں انسان ہیں ویسے ہی ان کے ہاتھ پیر ہیں ویسے ہی اعضاء وجوارح ہیں۔ مگر صفات میں دھوکہ ہوتا ہے کہ ملک ہیں یا انسان ہیں۔

اب ذرا آپ غور کریں کہ ہر طبقہ میں بلند وپست یوں ہی نقشے کہ صورت ان کی پتھر کی صفت ان میں درخت کی یا صورت ان کی درخت کی اور صفت

ان میں جانور کی یا صورت ان میں جانور کی اور صفت ان میں انسان کی اب انسان کو بھی یونہی سمجھیے کہ صورت ان میں انسان کی اور سیرت ان میں ملائکہ کی ابھی صرف ایک صفتِ مشابہت ہونا اعلیٰ مرتبہ دلا دیتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی انسان میں ایک ہی صفت ملک کی ہو تو وہ انسانوں کی اعلیٰ فرد پھر اگر کسی انسان میں کئی صفتیں اسی قسم کی جمع ہو جائیں جو محض ملائکہ میں موجود ہوں تو شوق سے انہیں انسان کہیئے مگر اپنا سا نہ کہیئے بلکہ اس مرتبے کا انسان کہیئے جہاں آپ کے قدم پہنچتے نہیں۔ لہٰذا جواب یہ نہ کہیں کہ ہم بھی انسان وہ بھی انسان پھر ان کو ہم پر فضیلت کیا؟ بے شک وہ بھی آدمی ہیں اور یقیناً ہم بھی آدمی ہیں مگر ہم میں سیرت جانور کی اور ان میں سیرت ملک کی تو ان کی جگہ الگ ہی رہی کیونکہ ادنیٰ لوگ اعلیٰ مرتبہ والوں کا بدل نہیں ہو سکتے۔

بہر حال میرے کلام کو طول ہوا اور آج یہ بھی نہ بتا سکا کہ مقصدِ حیاتِ انسانی کیا ہے؟ بلکہ تمہید ہی میں وقت گذر گیا۔ اب اس کی ضرورت ہے کہ اگر اس گروہ کو ظاہر کر دوں جو تمام انسانوں کا اعلیٰ فرد اور جن میں سیرت ملک کا نقشہ ان کی صورت انسانوں کی ان کی سیرت ملائکہ کی۔ اہلِ بزم کا خیال ہوگا کہ میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کو پیش کروں گا۔ کہ وہ انسانوں کی اعلیٰ فرد لیکن اگر میں آپ سے یہ کہہ دوں تو شاید مرتبہ گھٹا دوں گا۔ کیوں کہ میں ان انسانوں کو بتا رہا ہوں جن کی صورت بتائے گی کہ انسان ہیں اور سیرت بتائے کہ ملک ہیں ان انسانوں کو نہیں کہتا جن کی صورت ہو انسان کی

اور افعال ان کے ایسے ہوں کہ صفات خالق کا مظہر بن جائیں لیکن ابھی تو بیان یہ ہے کہ آدمی ملک سیرت ہو۔ نفس انسانی اتنا ابھرے کہ نفس ملکی سے مشابہ ہو جائے اور یہ مرتبہ ایمان کا ہے وہ ایمان نہیں جو ہم میں ہے بلکہ وہ ایمان جو سلمان میں تھا۔ وہ ایمان جو ابوذر میں تھا۔ وہ ایمان جو ان علماء میں تھا جن کے لئے رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْل (میری امت کے علماء اور بنی اسرائیل کے انبیاء کا مرتبہ برابر ہے) یہی وہ ایمان کامل تھے جن میں ملائکہ کی شان تھی۔ عبادت کرنا وہ خاص صفت ملکی جس سے خود خداوند عالم نے گروہ ملک کی مدح کی ہے کہ وہ کبھی خلاف اطاعت خدا کوئی کام نہیں کرتے۔ اور روایات میں ان کی ستائش ہے کہ بہت سے ان میں ایسے ہیں کہ اگر صف باندھ کر کھڑے ہو گئے تو بیٹھتے ہی نہیں بہت سے ان میں ایسے ہیں کہ سجدۂ خالق میں خم ہوئے تو پیشانی نے ان کی بلندی دیکھی نہیں یہ خاص صفت ملائکہ کی۔ ایمان والوں کا گروہ بھی ویسا ہی تھا کہ تمام زندگی ختم ہو گئی کراطاعت سے قدم ہٹا نہیں۔ گروہ ملک کی صفت یہ ہے کہ کھانے پینے کے محتاج نہیں تو مومنین کے اس خاص گروہ نے اپنی حد انسانیت سے مجبور ہو کر کم از کم اتنا کیا کہ کھانے پینے کی فکر نہ رکھی بس اتنی غذا مہیا کر لی جو بقاء جسم کو کافی ہو۔ ملائکہ لباس کے محتاج نہیں تو اس گروہ نے اتنا کیا کہ لباس کے صندوق بھرے نہیں بس اتنے کپڑوں پر اکتفا کی جو جسم ڈھانکنے کو کافی ہوں۔ ملائکہ کی خاص صفت یہ ہے کہ رہنے کو مکان بنایا نہیں تو اس

گروہ نے بھی اتنا کیا کہ دن کو دیوار کے سائے میں بیٹھا اور رات کو مسجد رسول میں بستر لگایا۔ ملائکہ کی قدرت کی حد نہیں۔ ان کا اختیار ان چیزوں پر ہے جو ہمارے اختیار سے باہر ہیں لیکن جو ایمان میں کامل ہیں ان کے اختیارات بھی بہت وسیع ہیں۔

امام جعفر صادقؑ سے ایک شخص نے آکر سوال کیا کہ فرزند رسول یہ تو ارشاد ہو کہ مومن کا خدا پر کیا حق ہے؟ حضرت نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا پھر اس نے پوچھا۔ پھر آپ نے منہ پھیر لیا۔ جب اس نے تیسری بار پوچھا تب حضرت نے فرمایا کہ مومن کا حق یہ ہے کہ خدا پر کہ اگر اس درخت خرمہ کو حکم دے کہ آگے بڑھ تو بڑھ آئے۔ راوی کہتا ہے کہ ادھر حضرت نے یہ جملہ ارشاد فرمایا اور ادھر درخت خرمہ نے آگے بڑھنا شروع کیا حضرت نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرما کر کہا کہ تھم جا۔ میں نے حکم نہیں دیا تھا صرف ایک بات کہی تھی۔

یونہی حضرت سلمان فارسی کے واقعات میں ہے کہ اگر مردوں پر سلام کیا تو بوسیدہ قبروں سے جواب ملا۔ یوں ہی اکثر علماء کے واقعات کہ اگر شب کو نجف اشرف کے دروازے پر پہنچے تو خود بخود حرم محترم کے دروازے کھل گئے۔

یہ سب ایمان کا نور تھا جس میں ملائکہ کی قوت کا جز یہ تھا۔ ملک کی یہ خاص صفت کہ گروہ مخلوقات میں ہیں مگر موت ان کی بس ظاہری ہے اور وہ بھی اس وقت جب تمام عالم ختم ہو جائے گا حیات اخروی کی ابتدا ہوگی تو مومنین

کی بھی یہ خاص صفت کہ بہت سے ان میں ایسے ہیں کہ موت ان کی ظاہری ہے اور زندگی ان کی ابدی ہے۔ جیسے وہ لوگ جو راہ خدا میں شہید ہوئے جب تک میدان جنگ میں تھے ان کی زندگی قابل شبہ نہیں اور جب قاتل کی تیغ سر پر آئی تو گردن کی رگیں کٹ گئیں اور قرآن کی آیت پکار اٹھی لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا (جو راہِ خدا میں قتل ہو جائیں انہیں مرنے والوں میں شمار نہ کرنا) یعنی یہ گوارا نہیں کہ جو قتل ہو جائیں انہیں مردوں میں کوئی شمار کرے یعنی اس آیت کے حکم کے بعد اگر کوئی غور کرے تو ایک لمحہ بھی ایسا نہیں نکلتا جسے موت کے لفظ سے تعبیر کیا جائے۔

یوں عرض کروں کہ راہ خدا میں مرنے والوں کے لئے میدان جنگ ایسا ہے جیسے عیدگاہ کی منزل اور خون میں نہانا ایسا ہے جیسے غسل عید اور زخمی ہو کر گرنا ایسا ہے جیسے نماز کا سجدہ جو اس رمز کو سمجھتے تھے انہیں خوشی تھی اور اتنی کہ اگر کوئی اور معانقہ کرنے کو نہ ملا تو دشمن کی تلوار سے گلے ملے۔ لچک دار نیزوں کو سینہ سے لگایا۔ ان کو نہ دیکھے جو دولت کی لالچ میں مرنے کو آئیں انہیں دیکھے جو حیات ابدی لینے آئیں جیسے بدر میں مرنے والے جیسے جنگ موتہ میں لڑنے والے۔ جیسے کربلا کے بہتر شہید۔ یہ وہ شہدا راہ خدا تھے جنہوں نے اپنی جانیں دیدیں۔ مگر حق کو زندگانی عطا کر دی یہ وہ مجاہد تھے جو خود تباہ ہو گئے۔ مگر اسلام کو تباہی سے بچا لیا۔ یہ وہ سرفروش تھے جو خود پامال سم اسپاں ہو گئے

مگر ایمان اسلام کی پامالی گوارا نہ کی۔

اس میں شک نہیں کہ چاہے بدر کی لڑائی ہو یا خیبر کی احد کی جنگ ہو یا خندق کی۔ جنگ موتہ ہو یا جنگ تبوک۔ ان تمام جنگوں میں اسلام اور کفر ہی کی لڑائی تھی حق و باطل ہی کا معرکہ تھا۔ انسانیت اور حیوانیت ہی برسرپیکار تھی لیکن آج دنیا کا ہر انصاف پسند آدمی یہ ماننے پر مجبور ہے کہ اسلام اور کفر کی جیسی لڑائی۔ حق و باطل کا جیسا معرکہ انسانیت اور حیوانیت کی جیسی پیکار کربلا کے تپتے ہوئے میدان میں ہوئی ایسی خندق میں ہوئی نہ خیبر میں نہ احد میں ہو سکی نہ تبوک و موتہ میں

آج ہر صاحب نظریہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ احد کی لڑائی آسان تھی خیبر کی لڑائی سہل تھی۔ خندق کا معرکہ آسان تھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان تمام لڑائیوں میں اسلام کے مقابلے میں کفر لباس کفر ہی میں مد مقابل تھا اور کربلا کے میدان میں کفر لباس کفر میں نہ تھا بلکہ اب کفر کے چہرے پر اسلام کا لبادہ تھا۔

جب کفر نے اپنی چال بدلی تو وارث اسلام حسینؑ ابن علی نے بھی اپنا طریقۂ جہاد بدل دیا۔ رسولؐ نے قتل کر کے فتح حاصل کی اور حسینؑ قتل ہو کے فتح یاب ہوئے وہاں فتح کا راز قتل کرنے میں پوشیدہ تھا یہاں کامیابی شہادت میں مضمر تھی۔

اس لئے حسین ابن علی فتح کرنے کے لئے اٹھے بے جان زمینوں کو نہیں شہروں کو نہیں ملکوں کو نہیں بلکہ فتح کرنے کے لئے دلوں کو دماغوں کو

توحسینؑ نے اپنے ساتھ کچھ بوڑھوں کو لیا لیکن وہ کہ جن کے جسم میں لرزہ ہو تو ہو مگر قدم میں نہیں کچھ جوانوں کو لیا مگر وہ جن کے نورانی چہرے اور ان پر سجدوں کے نشان ان کی عفت کی گواہی دے رہے ہوں کچھ بچوں کو لیا مگر وہ جو تیر کھا کے روئیں نہیں بلکہ مسکرا کر دنیا کو رلا دیں۔ کچھ عورتوں کو لیا۔ مگر وہ جو خود بے پردہ ہونا گوارا کر لیں لیکن اسلام کا پردہ رکھ لیں حسینؑ اس لشکر کو لے کر میدان کربلا میں آئے اور عاشور کے دن ایک ایک قربانی پیش کر دی۔

حسینؑ ابن علی یہ بھی کر سکتے تھے کہ سب سے پہلے خود ہی شہید ہو جاتے اور دیگر اصحاب دعزا بعد میں درجہ شہادت حاصل کرتے مگر اس طرح فقط حسینؑ کی شہادت ہی سامنے آتی صبر کے جوہر نہ کھلتے اس لئے حسینؑ نے اپنی شہادت کا وقت سب کے آخر میں قرار دیا۔ تاکہ دنیا دیکھ لے کہ کسی جاں نثار کی لاش پر پہنچنے میں حسینؑ تھکے تو نہیں۔ کسی عزیز کے آخری دیدار کے وقت حسینؑ نے بے صبری تو نہیں کی۔ جوان بھائیؑ کی لاش پر پہنچنے کے بعد ثبات قدم میں فرق تو نہیں آیا؟ کڑیل جوان فرزند کی میت اٹھاتے وقت پیر تھرتھرائے تو نہیں؟ بے شیر کی شہادت سے ہاتھوں میں کپکپی تو پیدا نہیں ہوئی؟

اور جب حسینؑ ان تمام منزلوں کو انتہائی صبر و سکون کے ساتھ گزار چکے تو پھر اپنا سر بھی راہِ الٰہی میں بخوشی پیش کر دیا۔

بس اب اس منزل پر حسینؑ کے امتحان کی منزل ختم ہو چکی تھی اب سیّد

سجاد کے امتحان کی ابتدا وقتی باپ کا امتحان ختم ہو چکا تھا۔ اب بیٹے کے امتحان کی باری تھی۔

باپ کا امتحان یہ تھا کہ بھائیوں کی بھتیجوں کی۔ بیٹوں کی لاشیں اٹھائے بیٹے کا امتحان یہ تھا کہ بہنیں، پھوپھیاں، مائیں بے مقنع و چادر رسن بستہ ہمراہ ہوں۔ بازار کوفہ و شام ہو آگے آگے ایک منادی کی آواز ہو یَا اَھْلَ الْکُوْفَۃِ وَالشَّامِ ھٰذِہٖ سَبَایَا مِنْ بَنَاتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ۔ یعنی اے کوفہ و شام کے رہنے والو! یہ کوئی اور نہیں۔ آلِ رسولؐ ہے۔ جو اس طرح تمہارے مجمعوں میں بے پردہ پھرائی جا رہی ہے جس کو تماشہ دیکھنا ہو وہ آکر دیکھ لے۔

اور صرف اسی بات پر اکتفا نہیں تھی بلکہ قدم قدم پر بیمار کا جسم پاک تھا اور تازیانوں کی اذیت تھی کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک تازیانے کھاتے کھاتے بیمار کی پشت زخمی ہو گئی تھی

عزاداران حسینؑ! اس مقام پر میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ آپ جانتے ہیں کہ غیرت دار بہادر کے لئے گردن کٹوا دینا کوئی بڑی بات نہیں تلواریں کھا لینا کوئی مشکل امر نہیں لیکن قوت ہوتے ہوئے ذلت کا برتاؤ برداشت کرنا بڑے جگرے کی بات ہے۔

اب انصاف آپ کے ہاتھ میں ہے۔ فیصلہ کر لیجئے کہ میدان کربلا میں بنی ہاشم کے جسم پر پڑتی ہوئی تلواروں کے زخم زیادہ گہرے تھے یا بازارِ کوفہ و شام میں سید سجاد کے جسم پر برستے ہوئے تازیانوں کے گھاؤ؟

تازیانوں پر تازیانے پڑ رہے ہیں مگر کسی موقعہ پر سید سجادؑ کی زبان پر اُف نہیں ہر موقع پر صبر و ضبط سے کام لے رہے ہیں۔

ایک موقعہ ایسا البتہ نظر آتا ہے کہ جب سید سجادؑ نے اس ظلم کی شکایت کی تھی اور وہ کون موقعہ تھا؟ وہ وہ وقت تھا کہ جب لٹا ہوا قافلہ راہ شام میں بے آب و گیاہ صحرا میں آگے بڑھ رہا تھا، آگے آگے سرہائے شہدا ہیں پیچھے بے وارثوں کا قافلہ۔ ہے کہ ایک مرتبہ وہ نیزہ جس پر امام حسینؑ کا سر تھا۔ خولی ملعون کے ہاتھ سے چھوٹا اور زمین میں نصب ہو گیا۔

اس ملعون نے لاکھ کوشش کی مگر نیزہ کو جنبش بھی نہ ہوئی آخر اس نے شمر سے ماجرا بیان کیا شمر نے جواب دیا کہ دیکھ میں ابھی سر حسینؑ کو آگے بڑھاتا ہوں۔ شمر نے تازیانہ اٹھایا اور سید سجادؑ کے قریب آیا اور وہ بے ادبی کی کہ ایک مرتبہ بیمار باپ کے سر کے قریب آیا اور فرمایا کہ "بابا آپ کیوں آگے تشریف نہیں لے چلتے میری پشت تازیانے کھاتے کھاتے زخمی ہو گئی"

سر بریدہ سے جواب آیا۔ سید سجادؑ! میں کیسے آگے چلوں میری گود کی پالی سکینہ ناقہ کی پشت سے ریگستان میں گر گئی ہے

قافلہ رک گیا۔ اہل حرم بچی کو تلاش کرتے ہوئے چلے۔ جناب زینب کا عالم یہ کہ قدم قدم پر آوازدے رہی ہیں کہ میری یتیم بچی سکینہ تو کدھر چلی گئی؟ سکینہ! سکینہ!! آواز دو کہاں ہو؟

ناگاہ جناب زینب نے دیکھا کہ ایک نقاب پوش معظمہ بچی کو گود میں اٹھائے جلتی زمین پر بیٹھی ہیں تسلی دے رہی ہیں دلاسہ دے رہی ہیں جناب زینب فرماتی ہیں معظمہ! آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے اس یتیمہ کو تسلی دی دلاسہ دیا۔ ایک بے والی و وارث کی خبر گیری کی خدا آپ کو اس کی جزائے خیر دے۔"

یہ سننا تھا کہ ان معظمہ نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دی زینب! کس کا شکریہ ادا کر رہی ہو میں کوئی اور نہیں تمہاری دکھیاری ماں فاطمہ ہوں یہ سن کر جناب زینب نے فرمایا اماں اب آپ تشریف لائی ہیں! ایسے آپ کی گود کا پالا تین دن کا بھوکا پیاسا کربلا کی تپتی زمین پر شہید کر دیا گیا اماں آپ کا گھر تباہ و برباد ہو گیا۔ چراغ قبر رسول خاموش ہو گیا اب دنیا میں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

مجلس دوازدہم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی تَبَارَکَ فِیْ کِتَابِہِ الْمُبِیْنِ وَھُوَ اَصْدَقُ الْقَائِلِیْنَ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ہ (پارہ ۲۷، سورۃ الذٰریٰت رکوع ۳)

ارشادِ رب العزت ہے کہ میں نے جن و انس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری عبادت کریں یہ وہ آیت ہے جس سے ابتدا کر کے میں غرض خلقت انسانی کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

وہ تمام چیزیں جو ہمارے مشاہدے میں آتی ہیں اور موجودات خارجی میں گنی جاتی ہیں۔ اور جن کو "موالید ثلاثہ" کی لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے تین قسموں میں بٹی ہوئی ہیں۔

ایک وہ جو اپنی حالت پر قائم ہیں دوسرے وہ جو اپنی اصلی حالت سے گھٹ کر اپنے سے کم مرتبہ سے مشابہ ہیں تیسرے وہ جو اپنی اصلی حالت سے بڑھ کر اپنے بلند مرتبہ کی تصویر ہیں پتھر ہوں یا درخت، حیوان ہوں یا

یا انسان۔ ہر ایک میں یہی تین طبقے موجود ہیں۔ جو اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ خلاق عالم نے عالم کی فطرت تدریجی ترقی پر قائم کی ہے یعنی وہ طریقہ جس پر نیچرل مذہب کا دارومدار ہے اور جسے دوسرے لفظوں میں اہل اسلام فطرت سے تبدیل کرتے ہیں اسی طرز پر قائم ہے کہ ہر شئی تدریجی ترقی میں مشغول ہے پتھر کی تدریجی ترقی یہ ہے کہ نبات سے مشابہ ہو جائے نبات کی تدریجی ترقی یہ ہے کہ حیوان کی حدوں کے اندر آجائے حیوان کی تدریجی ترقی یہ ہے کہ انسانیت کے اندر قدم رکھدے

اسی فطرت کی بنا پر انسان کے لئے لازم ہے کہ تدریجی ترقی میں مشغول ہو اور آخر ایسی حد میں پہنچے جو انسانیت کے مرتبے سے بلند ہو اور وہ عالم تجرد کی منزل ہے جسے عالم ملکوت سے تعبیر کیجئے جب اس مرتبے میں قدم آئے گا تو تدریجی ترقی کا مقتضا یہ ہوگا کہ اس جگہ بھی قدم نہ رکے اور کسی بلند مرتبہ کا قصد کرے تو الوہیت کی منزل نظر آئے گی اور یہی منتہائے عروج ہے مگر آپ اس سے یہ خیال نہ فرمائیں کہ انسان خدا بن جائے گا۔ نہیں نہیں یہ غلط ہے اور نہ یہ تدریجی ترقی کا مفاد بلکہ اس ترقی کا نتیجہ یہ ہے کہ اصل اس شئے کی وہی رہے جو اصل اسے خدا نے دی ہے مگر صفات ایسے نظر آئیں جو بلند مرتبہ کا خاصہ ہیں یوں سمجھئے کہ بلور کا ٹکڑا کبھی ہیرا نہیں بنتا مگر الماس تراش ہوتا چمک میں دھوکہ دیتا ہے امرود سیب نہیں بنتا مگر خوشبو مشابہت بتاتی ہے۔ درخت جانور نہیں بنتا مگر حس مشابہ کرتی ہے۔ حیوان آدمی نہیں بنتا مگر باتیں

مشابہ بناتی ہیں۔ یونہی انسان معاذاللہ خدا نہیں بنتا بلکہ انسان رہتے ہوئے بھی مظہر صفات خدا بن جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان اگر ترقی کے زینوں پر قدم رکھدے اور ہمت کو اپنی پست نہ کرے تو اس کی ترقی کی کوئی حد ہی نہیں لیکن یہ ترقی اس وقت تک نہیں ملتی جب تک مشقت سہی نہ جائے اور زحمت اٹھائی نہ جائے اور اسباب ایسے موجود نہ ہوں کہ یہ بلندی مل سکے یعنی مراد یہ ہے کہ ہر شخص کے واسطے جب تک ویسے اسباب موجود نہ ہوں یہ لازم نہیں کہ ترقی کی منزل مل جائے۔

اس سے مجھے انکار نہیں کہ فطرت کا مقتضا یہ ہے کہ جب ہمیں انسان بنائے تو تمام قوتیں عنایت کرے جو کسی انسان کو حاصل ہیں یہ تفریق باقی نہ رہے کہ زید کی قوت کچھ اور ہو خالد کی قوت کچھ اور ہو ہماری قوت اور ہو آپ کی قوت اور ہو اور حقیقت امر ہے بھی یہی کہ فطرت سب کو حصہ برابر دیتی ہے مگر اسباب خارجی اثر کرتے ہیں اور ان قوتوں کے ظہور میں تفرقہ ہو جاتا ہے جس طرح ایک وہ جو بینا ہے اور ہر شے کو دیکھ رہا ہے دوسرا وہ جو نابینا ہے کسی شے کو نہیں دیکھتا دونوں کی فطرت ایک ہی ہے اور دونوں میں بصارت موجود ہے مگر ایک کی آنکھیں سالم ہیں اور اس میں بصارت کا ظہور ہے دوسرے کے ڈھیلے بہہ گئے اور اس میں بصارت کا ظہور نہیں یونہی وہ تمام قوتیں جو ایک صحیح انسان میں موجود ہیں وہی ایک مریض انسان میں موجود ہیں مگر جس میں کوئی مرض نہیں۔ اس

کی قوتیں ظاہر ہیں اور جسم میں مرض ہے اس کی قوتیں پوشیدہ ہیں۔
اب جس طرح یہ مرض بعد ولادت پیدا ہوتے ہیں جس سے قوت کا ظہور رک جاتا ہے اسی طرح یہ امراض قبل ولادت شکم مادری میں پیدا ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے بچے اندھے۔ بہرے اور گونگے پیدا ہوتے ہیں اور جس طرح بعد ولادت کچھ مرض ایسے ہوتے ہیں جو عقل انسانی زائل کر دیتے ہیں اسی طرح وہ تمام انسان جو ابتداء ولادت ہی سے بے وقوف ہیں انہیں ماں کے شکم میں وہ مرض پیدا ہوئے جو ان کی عقل کمزور کر دیں اور جس کے اثر سے وہ تمام لوگ نافہم ہو گئے لہذا۔ ایک وجہ یہ بھی کہ جس سے آپس کی قوتوں میں تفرقہ نظر آتا ہے۔
پھر اب اس کے بعد قوتوں کا یہ تفرقہ تعلیم کے فرق سے تربیت کے فرق سے صحبت کے فرق سے نمایاں ہو جاتا ہے مگر بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کی آپسی قوتوں میں کتنا ہی تفرقہ کیوں نہ ہو مگر ہیں یہ سب انسان ہی جو ترقی کے ابتدائی زینے پر رک گیا وہ بھی آدمی ہے جو آخری حد تک پہنچ گیا وہ بھی انسان ہی ہے جو حیوان سیرت بنا۔ وہ بھی آدمی کہلائے گا جو صفات خدا کا مظہر بن گیا وہ بھی ایک انسان ہی ہے۔ بس یہی مطلب تھا اس عالی منزلت کا جو صفاتِ خدا کا مظہر ہو کر فرماتا تھا۔ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ میں تمہاری ہی طرح انسان ہوں اس سے کہنے والے کا مطلب یہ تھا کہ صورت میں ہم انسان ہی ہوں اور بالکل تمہاری طرح ہوں مگر عقل کو میری مرض نہ ہوا۔ قوتوں کو میری بیماری نہ ہوئی۔ علم محمد کو کامل والا واسطہ

غلط چلا نہیں۔ آخر اس بلندی پر پہنچا کہ دو کمانوں سے کم کا فاصلہ رہ گیا۔
اس تمام بحث سے میری غرض یہ تھی کہ یہ کلیہ غلط ہے کہ ہر انسان برابر ہے اس میں شبہ نہیں کہ ملک صفت بھی انسان ہی ہیں اور حیوان صفت بھی انسان ہی ہیں مگر دونوں کی صفتیں الگ ہیں اس وجہ سے ایک حیوان ہونے کا مستحق۔ اور دوسرا ملک ہونے کے قابل۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ یہ نہ سمجھے گا کہ جب عقل ہماری مریض ہے جب علم ہم کو حاصل نہیں جب تربیت ہماری اچھی نہ ہوئی تو اب کیوں اسکی کوشش کریں کہ کسی بلند مرتبہ پر رسائی ہو۔ مگر میں عرض کرونگا کہ جب جسمانی امراض کے لئے علاج کرنا ضروری ہے اور دوائیں پینا لازمی ہیں۔ یوں ہی باطنی امراض کا بھی علاج ضروری ہے اور فائدہ ہونا ممکن ہے۔ اس لئے ناامیدی کے کوئی معنی ہی نہیں۔ اگر اخلاقی نسخے دئے گئے اگر علمی غذا پہنچائی گئی تو بہت ممکن ہے کہ صحت ہو اور اگر بہت بلندی نہ ملے تو کچھ ہی مل جائے اگر تقرب الوہیت حاصل نہ ہو تو شاید ملک سیرت ہی بنیں۔
اگر یہ بھی درجہ حاصل نہ ہو تو شاید انسان حقیقی بنیں مگر یہ فطرت کا مقتضا نہیں کہ چپ ہو کر بیٹھ رہیں۔ بلکہ فطرت ہمیں ابھارتی ہے کہ اٹھو اور قدم آگے بڑھاؤ۔
معلوم ہوا کہ یہی دنیا کی فطرت ہے کہ ہر موجود قدم بڑھاتا ہے تو اب چونکہ اسلام عین فطرت ہے تو آپ یقین رکھیں کہ یہی وہ مقصد حیات ہے جو شریعت کا نقطۂ نگاہ ہے اور فطرت کا آخری نتیجہ ہے اور نیچر کی

انتہائی منزل ہے۔

ابھی مجھ سے نہ پوچھئے کہ شریعت کی ترقی اور ہے دنیا کی ترقی اور ہے جسے مذہب اسلام نے انسان کی ترقی بتایا ہے وہ بالکل الگ ہے۔ اور جسے اہل دنیا اور لامذہبیت والے اپنا طرز عمل بناتے ہیں وہ اور ہے یہ سوال ظاہری نظر پر مبنی ہے اور باطن میں اس کی اصل نہیں۔ کیوں کہ بحث ابھی کلیہ میں ہے اور وہ کلیہ یہ ہے کہ ہر شخص کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اپنی منزل سے آگے بڑھے اور یہی ہر حیثیت سے مقصد حیات انسانی ہے اب بحث اس میں ہے کہ دنیوی ترقی انسان کی زندگی کا مفاد ہے۔ یا کوئی اور ترقی عمر بشر کی غرض ہے؟

لیکن میں آپ سے عرض کروں گا کہ دنیوی ترقی کتنی ہی زبردست کیوں نہ ہو مگر یہ کہنا غلط ہے کہ یہ وہی ترقی ہے کہ جسے ترتیب فطرت چاہتی ہے کیونکہ اگر معاذ اللہ کوئی خالق عالم نہیں ہے اور کوئی ایسی ذات نہیں ہے کہ جسے خداوند عالم کہا جا سکے اور دہریت کا مذہب حق ہے تو پھر حقیقت یہ ہے کہ یہی طریقہ بہترین مقصد حیات انسانی ہے کہ جس قدر ہو سکے دنیاوی ترقی میں کوشش کی جائے لیکن اگر ہم سے بلند کوئی عالم موجود ہے جسے عالم تجرد کہا جائے یا عالم ملکوت سے تعبیر کیا جائے یا عالم عقول کہا جائے یا کوئی اور نام رکھا جائے اور اس سے اوپر عالم لاہوت یا منزل الوہیت یا مرتبہ خالقیت کوئی ہے تو پھر یہ تمام دنیوی ترقیاں ترتیب فطرت کے بالکل خلاف اور مقصد حیات سے دور اور نقطہ نگاہ بشر سے بالکل جدا ہیں

یوں آپ کو اختیار ہے کہ جو طریقۂ زندگی چاہے بنا لیجئے لیکن اگر آپ نے محض دنیوی ترقی کو اپنا نقطۂ نگاہ بنایا تو اس میں شک نہیں کہ دنیا آپ کو ملے گی اور اس قدر ترقی حاصل ہوگی کہ جو آپ دنیا میں آج دیکھ رہے ہیں مگر اس کے بعد یہ بھی سمجھئے کہ سب کچھ آپ کو ملے گا۔ مگر جو مقصد حیات ہے وہ اس سے حاصل نہ ہوگا۔

میں جانتا ہوں کہ اول تو میرا بیان دلکشی کے قابل ہے ہی نہیں اور اگر کچھ قابل توجہ ہو بھی تو جہاں سے بیان پلٹتا ہے اور دین کی طرف مڑتا ہے وہیں سے دل بھی پلٹ گئے ہوں گے کہ وہی پرانا جھگڑا چھیڑ دیا۔ مگر میں اسے کیا کروں کہ میری عقل نہیں بتاتی کہ انسانی زندگی کا مقصد کچھ اور ہوگا جب شرعی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں تو حیات کا مقصد یہی نکلتا ہے کہ انسان اپنے مرتبہ سے بلند ہو جائے اور جب طریقۂ فطرت پر نظر کرتا ہوں تو آخری نتیجہ یہی ملتا ہے کہ جو مرتبے میں بلند ہو اس سے سلسلہ ملا دیا جائے اور جب اس خیال سے نظر کرتا ہوں تو یہ دنیاوی ترقیاں اس غرض کے لئے عبث نظر آتی ہیں میں یہ نہیں کہتا اور نہ میری شریعت نے مجبور کیا ہے کہ آپ دنیاوی ترقیوں کی فکر نہ کیجئے نہیں! انہیں کیجئے فکر اور ضرور کیجئے۔ لیکن اتنا خیال رکھئے کہ وہ طرزِ عمل اختیار کیجئے جو نقطۂ ترقی کے مخالف نہ ہو۔ اور ایک ترقی دوسری ترقی کی ضد نہ ہو۔ کیونکہ اگر آپ نے ایسا کیا کہ محض دینی ترقی کو لے لیا۔ اور اس طریقے سے کہ پھر دنیا کا خیال ہی نکل گیا۔ تو دنیوی ترقی ناممکن ہے اور یونہی اگر آپ دنیاوی

ترقی کی فکریں ہیں اور اس طرح کہ دین کی طرف سے نگاہیں پلٹ گئیں تو پھر دینی ترقی جو حقیقی ترقی ہے ناممکن ہے لہذا یوں چلئے کہ ہر ترقی پیش نگاہ رہے گو یہ بات ضرور ہے اور میری زبان سے یوںہی نکلے گا کہ اس کی فکر نہ کیجے کہ دنیاوی ترقی رکے گی یا نہیں بلکہ اس کی فکر کرتے رہیے کہ وہ ترقی نہ رکے جو فطرت عالم کا مقتضا ہے اور جس پر تمام دنیا چل رہی ہے کہ ہر پست مرتبہ مخلوق بلند مرتبے سے ملنے میں کوشاں رہے۔

کافروں کو یہ بات زیبا ہے کہ دنیا کی بلند پروازی میں منہمک رہیں مگر خدا کو ماننے والے کو غرض خلقت سمجھنا چاہیئے۔ طریقۂ فطرت دیکھنا چاہیئے مقصد حیات انسانی پیش نگاہ رکھنا چاہیئے اور اس بات کی فکر کرنا چاہیے کہ ہم ایسے کام کرتے رہیں جو ہم کو انسانیت کی منزل سے بلند کردیں یہی حقیقی فطرت ہے اور اسی کا نام دین ہے اور یہی اسلام کی حقیقت ہے اسی لئے قرآن میں ارشاد ہے۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ہر طرف سے روگرداں ہو کے اپنا رخ دین کی طرف کرلو۔ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ عین فطرت یہی ہے کہ سب کی طرف سے منہ پھیر و اور اس دین کی طرف رخ کرلو تاکہ منزل ترقی سامنے ہو اور جدھر جانے کا قصد ہو اسی منزل پر نگاہ ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب اس مقام سے معلوم ہوا کہ خود خلاق عالم بتا رہا ہے کہ جو کام فطرت تم کو بتاتی ہے اور جس طرف فطرت عالم لئے جا

رہی ہے وہی عین دین ہے یہاں تو ارشاد اتنا ہی ہے اور کبھی کبھی صاف صاف ارشاد فرمادیا کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ہم نے جن وانس کو صرف اس لئے بنایا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں اور عبادت سے مراد اس مقام پر خدا کی معرفت ہے کیوں کہ یہی اس لفظ کی تفسیر کی گئی ہے تو آخری نتیجہ یہ نکلا کہ خلقت انسانی اس لئے ہوئی ہے کہ خدا کی معرفت حاصل کی جائے۔

اب آپ یہاں یہ ارشاد فرمائیں کہ تم تو یہ بات کہہ رہے تھے کہ فطرت کا طرز بلندی اور طبقہ اعلیٰ سے مشابہت ہے حالانکہ قرآن کی آیت ہے کہ معرفت غرض خلقت ہے کیونکہ میں عرض کرونگا کہ بے شک لفظیں الگ ہیں مگر مطلب دونوں کا ایک ہے آپ اس نظر سے نہ دیکھیں کہ معرفت خدا کا ذکر آیت میں ہے اور فطرت کا منشا بلند ہونا ہے بلکہ آپ اس بات کو یوں دیکھیں کہ جب کسی منزل پر جانا ہو تو پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس منزل کو پہچانتا ہو کیونکہ یہ بالکل محال ہے کہ جس شہر کا نام آپ نے نہ سنا ہو اس شہر کے جانے کا قصد کریں آپ یہ جانتے ہی نہیں کہ کہ کبھی کوئی شہر ہے تو آپ اس کا قصد کرکے گھر سے نکل سکتے ہی نہیں یوں ہی جب آپ جانتے ہی نہیں کوئی بلند مرتبہ الوہیت کا موجود ہے تو آپ اس منزل پر جانے کا خیال کبھی نہیں کر سکتے اس لئے ضروری ہے کہ جب آپ بلند ہونا چاہتے ہیں اور تقریباً الوہیت نقطہ نگاہ ہے تو الوہیت کی منزل پہچان لیں تب وہاں جانے کا قصد ممکن ہے اسی کو علیؑ

بتا گئے کہ اَوَّلُ الدِّیْنِ مَعْرِفَتُہٗ دین میں پہلی منزل خدا کی معرفت ہے جب یہ منزل مل جائے تب فطرت پر انسان چل سکتا ہے اور اگر یہ منزل نہیں حاصل تو فطری مقصد محال ہے۔

اب تو یہ کہنا درست کہ اسلام فطری مذہب ہے اور بالکل نیچر کے مطابق ہے نیچر بلندی کی طرف کھینچتا ہے اور اسلام کا بھی یہی منشاء ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے ان تمام عبادتوں میں جو شریعت کی طرف سے واجب ہیں اور ان میں قصد قربت شرط ہے یعنی عبادت شریعت کی طرف سے معین کی گئی ہے اور اس میں یہ بات شرط ہے کہ کام شروع کرنے سے پہلے اس کام کی نیت کرو اور نیت کے معنی ہیں کیا؟ اس کام کا قصد کرنا اور اس نیت میں شرط یہ ہے کہ قربۃً الی اللہ ضرور ہو۔ یعنی یہ قصد کرو کہ میں یہ کام خدا سے قریب ہونے کے واسطے کرتا ہوں اور پھر اس کے بعد ضروری ہے کہ یہ قصد اس وقت تک محفوظ خاطر رکھو جب تک وہ کام کر رہے ہو تو اب تو منزل صاف ہو گئی کہ جو فطرت چاہتی ہے وہی اسلام بتاتا ہے اور جدھر فطرت لے جاتی ہے ادھر ہی اسلام بڑھاتا ہے۔

اس تمام تذکرے سے مطلب یہ تھا کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے۔ جو فطرت کے مطابق چلاتا ہے اور جو فطری مقصد حیات ہے وہی اسلام کا مقصد ہے لیکن اب صرف دیکھنا یہ ہے کہ یہ مقصد ہمیں حاصل کیونکر ہو! یہ خیال غلط ہے کہ فطرت کا اصلی مقتضا یہ ہے کہ ہم اپنے بلند سے مل جائیں تو پھر ہم کچھ کریں یا نہ کریں فطرت ہم کو کھینچے گی اور آخری نقطہ پر پہنچائے

گی کیونکہ میں جناب سے عرض کروں گا کہ یہ لازم نہیں ہے کہ جو فطرت کا منشاء ہو وہ ہمیشہ پورا بھی ہو۔ جیسے آپ دیکھتے ہیں کہ ہر پتھر ہیرا نہیں بنتا ہر نبات میں حس نہیں ملتی ہر حیوان میں انسانی صفات پیدا نہیں ہوتے تو یہیں سے یہ بات بھی مان لیجئے کہ ہر انسان ملک سیرت نہیں بنتا ہر بشر صفات خدا کا مظہر نہیں ہوتا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب اسباب مہیا ہوتے ہیں تب بلند منزل ملتی ہے اب جو چیزیں بے عقل ہیں ان میں یہ اسباب خود بخود پیدا ہوتے ہیں یا خدا ان کو پیدا کرتا ہے مگر موجودات صاحب عقل ہیں ان میں منشاء فطرت اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ خود ان اسباب کو مہیا کرلے اور ایسے امور نہ کرے جو ترقی سے اس کے قدم روک دیں مثلاً ہماری فطرت یہ ہے کہ ہمیں کھانے کی خواہش ہو۔ ہمیں پیاس کی تکلیف ہو لیکن اگر ہم کوئی ایسی دوا کھالیں کہ جس سے بھوک مرجائے تو پھر غذا کی خواہش نہ ہوگی یوں ہی فطرت چاہتی ہے کہ ہمیں بلندی کی طرف لے جائے لیکن جب موانع پیدا ہوجاتے ہیں تو بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں خدا کی طرف سے غافل ہوجانا دنیا طلبی پر جھک پڑنا عبادت وریاضت کو چھوڑ دینا یہ وہ اسباب ہیں جو فطرت کے منشاء کو روک دیتے ہیں۔

اب اس مقام پر میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ کونسی چیزیں ہیں جو ہماری منزل بلند کردیں اور وہ کونسی چیزیں جو ہماری منزل پست کردیں سنئے اور غور سے سنئے! جب ہم کو یہ بات معلوم ہی ہے۔ کہ

ہماری زندگی کا مقصد یہ ہے کہ ہماری ترقی آگے بڑھے اور ہمارے درجے بلند ہوں۔ اور یہ بھی ہم کو معلوم ہے کہ ہم میں دو چیزیں موجود ہیں ایک ہمارا نفس ہے اور دوسرا ہمارا جسم ہے اور دونوں کی ترقی ممکن ہے۔ نفس کی ترقی وہ بھی ممکن ہے۔ جسم کی ترقی وہ بھی ممکن ہے تو یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ کس چیز کو ترقی دیں؟ جسم کے حصے کو آگے بڑھائیں یا نفس کے حصے کو آگے بڑھائیں اگر جسم کے حصے کو آگے بڑھائیں گے تو ہم اس بات کو دیکھتے ہیں کہ لاکھ جسمانیت ترقی کرے مگر جسم اپنی منزل سے آگے نہیں بڑھتا اور کسی اعلیٰ طبقہ سے نہیں ملتا یہ اس کی دلیل ہے کہ جسم کی منزل عروج ختم ہو چکی اور انسانیت کا مرتبہ جسمانی ترقی کی آخری منزل ہے کیونکہ جسم پہلے معدوم تھا ترقی کر کے موجود ہوا وجود کا لباس پہن کر جماد کی منزل میں شامل ہوا جیسے پتھر اور زمین اور دریا۔ پھر اس نے قدم آگے بڑھائے اور نبات کی منزل حاصل کی پھر اس نے قدم آگے بڑھا اور حیوان کے مرتبہ میں پہنچ گیا اب اس سے اوپر ترقی کی تو انسانیت کی معراج پر پہنچا بس یہی اس کی آخری منزل ہے۔ اگر یہ آخری درجہ نہ ہوتا تو ہم جسم کی کسی اور ترقی کو دیکھتے مگر ایسا نہیں ہے بلکہ انسان کے آگے جسم کی ترقی کے قدم نہیں بڑھتے اور جب انسان مرتا ہے تو جسمانیت پھر اپنی پہلی منزل پر پلٹتی ہے یعنی جسم انسان مٹی ہو کر خاک میں مل جاتا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ لاکھ جسم کو ترقی دیں مگر اب وہ آگے نہیں بڑھے گا اس کی بلندی ختم ہو چکی اور نقطۂ عروج پر پہنچ چکا تو اب وہ تمام چیزیں جو جسم کے

کے فائدے کے واسطے ہوں جو محض جسم کی راحت کے لئے ہوں جو محض جسم کی ترقی میں معین ہوں۔ وہ بالکل بے کار اور عبث ہیں اور مقصد حیاتِ انسانی ہونے سے دور ہیں۔

مگر یہ لفظیں مختصر ہیں مگر ایسی تمام باتوں پر شامل ہیں جو جسم کے واسطے کی جائیں۔ ریل کا بنانا انتہائی کمال مگر فائدے کیسے؟ جسم کو بحری جہاز بنانا بے حد ترقی مگر فائدہ جسم کا ہوائی جہاز بے نظیر ایجاد مگر بلندی کسے؟ جسم کو۔ بجلی کے کرشمہ حیرت انگیز مگر نفع کس کا؟ جسم کا طب کے تجربے بہت کامل مگر اثر کس پر؟ جسم پر تو اب تو مطلب صاف ہو گیا۔ کہ یورپ کتنی ترقی کرے مگر یہ ترقی غلط ہے۔ سائنس کتنا زور باندھے۔ مگر فطرت کے منشاء سے الگ ہے کیونکہ فطرت چاہتی ہے کہ ترقی دینا اور ترقی اس کا نام ہے۔ کہ بلند سے مشابہت پیدا کرے اور جسم مع اپنے لوازم کے کسی بلند سے مشابہ ہوتا نہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تمام راہیں الگ ہیں اور فطرت کا راستہ الگ ہے جو خلاف فطرت چلنا چاہے وہ ان باتوں میں الجھا رہے اور جو موافق فطرت راستہ چلے اس کے واسطے ضرورت ہے کہ وہ دوسرے جزو پر نظر کرے کہ قابل ترقی ہے یا نہیں؟ اور وہ جزو نفس ہے اور نفس کی ترقی ممکن ہے کیونکہ اس سے بلند مرتبہ عالم مجردات موجود ہے اب یہ مقام وہ ہے۔ جہاں تمام باتیں ختم ہیں صرف یہ دیکھنا باقی ہے نفس کی ترقی کیوں کر ہو؟ مگر دل میں میرے خواہش یہ ہے کہ ایک بات عرض کرتا چلوں اور وہ یہ کہ جب ثابت ہو چکا کہ جسم آگے نہیں بڑھتا اور نفس کی ترقی ممکن ہے تو یہ حدیث

صاف ہو گئی کہ رسولؐ نے علیؑ کو نفس کیوں کہا؟ میں نہیں کہتا کہ حقیقت اور واقعہ یہی ہے لیکن اگر کہوں تو شاید غلط نہ ہو کہ شاید رسولؐ اشارہ فرما رہے تھے کہ میں بجائے جسم کے ہوں اور علیؑ بجائے نفس کے جسم۔ نبوت صدیق ختم کر چکا اب آگے قدم نہیں بڑھ سکتے مگر نفس امامت ترقی کرنے کے قابل ہے لہٰذا میں بجائے جسم کے ہوں کہ جہاں نبوت کے قدم رکے اور علیؑ بجائے نفس کے ہیں کہ جہاں سے امامت آگے بڑھے گی اور ہے بھی یہی بات۔ اب نبوت آگے کیا بڑھتی؟ کیونکہ الوہیت سے تقرب انتہائی تھا اور امامت کی ترقی ممکن تھی کیونکہ ظاہر معراج ہوئی نہ تھی۔

بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ جسم کی ترقی ممکن نہیں تو لاکھ اسے بڑھایئے گا اسی منزل پر رکے گا لیکن نفس کی ترقی ممکن ہے تو حکم فطرت یہی ہے۔ کہ اس کے قدم آگے بڑھایئے۔ یہی وہ راز فطرت ہے جو سمجھ لینے کے قابل ہے اور جس نے سمجھ لیا وہ ٹھیک راستہ پر چل رہا ہے۔ مگر راستہ مشکل ہے اور چلنے والے کم ہیں۔ اور اگر کوئی چلا بھی تو پہنچنے والے بہت ہی کم کیوں کہ نفس انسانی پردے میں ہے اور اس کی ترقی پوشیدہ ہے اور جسم انسانی ظاہر ہے اور اس کی ترقی بے پردہ ہے۔ پھر جو آنکھوں کے سامنے موجود ہو اسے چھوڑ کر پردے کے ادھر کون دیکھے؟

بہر حال حقیقی ترقی وہی ہے جو نفس انسانی کو حاصل ہو اور اس ترقی کا راز ترقی اخلاق میں پوشیدہ ہے جب تک اخلاق درست نہ ہوں ترقی نفس ناممکن ہے اور اسی لئے ہمارا رسولؐ فرماتا کہ "بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ

مَکَارِمَ الْاَخْلَاق میں اس لئے رسول بنایا گیا ہوں کہ تمہارے اخلاق میں سے عیوب نکال کر تم کو خلق حسن کا مجسمہ بنا دوں تاکہ جب اخلاق تمہارے درست ہو جائیں گے تو تم خود مرتبہ اعلیٰ کی طرف کھنچ جاؤ گے جو تمہاری زندگی کا مقصد ہے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ تم سب سے بہتر وہ جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ تیسرے مقام پر ارشاد ہوا مومنین میں سب سے زائد کامل وہ جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں" چوتھے مقام پر ارشاد ہوا کہ میں سب سے زیادہ اسے محبوب رکھتا ہوں جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

اس مقام پر پہنچ کر میں یہ کہوں گا۔ کہ اب تو منزل صاف ہو گئی کہ رسولؐ کی بعثت کیوں ہوئی دین اسلام کیوں آیا؟ صرف اس لئے کہ جو غرض خلقت ہے قرآن سے نہیں حدیث سے نہیں بلکہ عقل سے اور جو زندگی کا مقصد ہے محض عقل سے وہ کس طرح پورا ہو جائے۔ فطرت چاہتی ہے کہ میں بلند کر دوں اور ملاء اعلیٰ سے ملا دوں اور یہ انسان چاہتا ہے کہ میں ایسے عادات اختیار کر دوں جو حسن اخلاق مٹا دیں۔ اور جب حسن اخلاق مٹ جائے گا تو قوتوں میں اعتدال باقی نہ رہے گا۔ اور جب اعتدال نہ ہو گا تو نفس انسانی میں مرض آ جائے گا۔ اور مریض میں یہ دم نہیں ہوتا کہ بلند منزل پر قدم رکھے اس لئے فطرت کہے گی کہ آگے بڑھو اور اپنے ہاتھ کا پیدا کیا ہوا مرض کہے گا کہ نہیں تھم جاؤ۔ اسی کشاکش کو روکنے کے واسطے مرسلین کی سواریاں اتاری گئیں کہ بداخلاقی کی روک کو الگ کر دیں اور

فطرت کے مقصد کو نہ رد دیں۔ کبھی آدمؑ آئے، کبھی نوحؑ۔ اور کبھی ابراہیمؑ نے ہدایت کی۔ کبھی موسیٰؑ و عیسیٰؑ نے اور آخر میں ہمارے پیغمبرؐ تشریف لائے اور آپ نے اخلاق حسنہ کی تعلیم دی رحمت الٰہی اب بھی نہ تھمی جب باب نبوت بند ہوا تو امامت کا دروازہ کھول دیا گیا۔ کبھی علی اخلاق رسولؐ کا نمونہ بنے کبھی حسنؑ خلق رسولؐ کی تصویر بنے اور کبھی حسینؑ صفات پیغمبرؐ کے آئینہ دار بنے۔

خیر ان کو جانے دیجئے یہ سب تو امام تھے معصوم تھے وہ کہ جو امام نہ تھے ان کا مرتبہ یہ تھا کہ چاہے وہ اصطلاحی حیثیت سے معصوم نہ بھی کہے جا سکیں۔ مگر پھر بھی خدا کی قسم ان کا ہر نمونہ عمل حسن اخلاق کی بہترین تعلیم تھا۔

پھر میں تو کہتا ہوں کہ ان کے بوڑھوں کو نہ دیکھئے نوجوانوں کو نہ دیکھئے بلکہ کم سن بچوں کو دیکھ لیجئے ایک ایک بچہ وہ جس کا ہر ہر عمل پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ اس کا تعلق کس گھرانے سے ہے۔

اگر آپ کو تعلیم اسلامی کا سبق حاصل کرنا ہے تو عباس کو نہ دیکھئے علی اکبر کو نہ دیکھئے قاسم کو نہ دیکھئے جناب زینب پر نگاہ نہ ڈالئے۔ جناب کلثوم کی طرف نہ جایئے ان کا مرتبہ تو بہت بلند ہے میں تو کہتا ہوں کہ دربار یزید میں سکینہ ہی کو دیکھ لیجئے وہ دربار جہاں اہل حرم رسن بستہ نامحرموں کے مجمع میں استادہ ہیں یزید تخت پر بیٹھا ہے طشت طلا میں سر حسینؑ ابن علیؑ ہے۔ شراب کا دور چل رہا ہے اور وہ ملعون کچھ

اشعار پڑھ رہا ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کاش آج میرے آباؤ اجداد زندہ ہوتے جو بدر و احد میں قتل ہوئے تھے اور دیکھتے کہ میں نے ان کے قتل کا بدلہ کس طرح آلِ رسولؐ سے لے لیا۔ ملعون کہہ رہا ہے نہ معاذ اللہ پیغمبر پر وحی آئی تھی نہ وہ رسولؐ تھے۔ بلکہ یہ تو فقط سلطنت حاصل کرنے کا ایک کھیل تھا جو بنی ہاشم نے کھیلا تھا۔

اعتقادات اسلامی کا مزاح اڑایا جا رہا تھا اور تمام دربار خاموش تھا کہ اسی اثناء میں یزید کی نظر جناب سکینہ پر پڑ گئی دیکھا کہ جناب سکینہ دربار میں اس طرح کھڑی ہیں کہ ایک ہاتھ گلے پر رکھا ہے اور ایک ہاتھ چہرے پر۔ یزید پوچھتا ہے کہ سکینہ تم اپنا ہاتھ گلے پہ کیوں رکھے ہوئے ہو؟ جناب سکینہ نے جواب دیا کہ اے یزید شمر نے میرے گلے میں اتنے کس کر رسن باندھی ہے کہ میرا دم گھٹا جاتا ہے یزید نے پوچھا کہ پھر یہ چہرے پر ہاتھ کیوں رکھے ہو؟ جناب سکینہ نے جواب دیا کہ اے یزید میرے ساتھ اور جو میری ماں بہنیں ہیں ان کے بال اتنے بڑے ہیں کہ وہ اپنے بالوں سے اپنے چہرے کا پردہ کر سکتی ہیں میرے بال اتنے بڑے نہیں کہ اپنے چہرے کا پردہ کر سکوں اس لئے اپنا چہرہ اپنے ہاتھ سے چھپائے ہوئے ہوں۔

عزادارانِ حسینؑ! دربارِ یزید میں جناب سکینہ کی عمر زائد سے زائد چار یا پانچ برس کی تھی اور ظاہری اعتبار سے اس عمر میں بچی پہ پردہ واجب نہ تھا۔ مگر گویا جناب سکینہ اپنے عمل سے دکھا رہی تھیں کہ دیکھ

یزید یہ تیری منزل ہے کہ تخت خلافت رسول پہ بیٹھا ہے اور اعتقادات اسلامی کی ہنسی آڑا رہا ہے اور یہ ہمارا مرتبہ ہے کہ ہمارا گھر تاراج ہو چکا ہے ہم رسن بستہ ہیں ہم بے والی و وارث ہیں۔ مگر ہم صرف اعتقادات وارکان اسلامی ہی کی حفاظت نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ اس سخت عالم میں مستحبات اسلامی کی بھی حفاظت کر رہے ہیں۔

بس عزادارو ذرا اتنا اور سن لو کہ اب یزید یتیمہ کے شکستہ دل پہ نمک پاشی کرتا ہے کہتا ہے کہ "سکینہ! میں نے سنا ہے کہ تمہارے بابا تم کو بہت چاہتے تھے جب تک تم سینے پہ آکر نہ سو رہتی تھیں حسینؑ کو نیند نہ آتی تھی میں تو جب جانوں کہ حسینؑ تم کو بہت چاہتے تھے کہ حسین کا سر طشت سے اٹھ کر تمہارے پاس آجائے یہ سننا تھا کہ جناب سکینہ نے آغوش پھیلا دی۔

"بابا ہماری محبت کا امتحان ہو رہا ہے کیا آپ میری آغوش میں نہ آئیے گا۔" راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا سر حسین طشت سے بلند ہوا اور سکینہ کی آغوش میں آگیا بچی نے باپ کے منہ پہ منہ رکھ دیا۔ اے بابا آپ کے بعد شمر نے مجھے طمانچے مارے بابا آپ جو گوشوارے پہنا گئے تھے وہ میرے کانوں سے اس طرح چھینے گئے کہ میرے کانوں سے خون بہنے لگا بابا آپ کے بعد تازیانے کھاتے کھاتے میری پشت زخمی ہو گئی ہے۔"